علامہ اقبالؒ اور رمضان عطائیؒ

(ملاقاتیں)

ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ

اقبال اکادمی پاکستان

اس کتاب کی اشاعت قومی ورثہ وثقافت ڈویژن کے خصوصی مالی تعاون سے ہوئی

جملہ حقوق محفوظ

ناشر

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

ناظم

اقبال اکادمی پاکستان

حکومتِ پاکستان

قومی ورثہ وثقافت ڈویژن

چھٹی منزل، ایوانِ اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

Tel: [+92-42] 3631-4510, 9920-3573

Fax: [+92-42] 3631-4496

Email: info@iap.gov.pk

Website: www.allamaiqbal.com

ISBN 978-969-416-599-8

طبع اوّل	:	۲۰۲۵ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	-/۳۸۰ روپے
مطبع	:	ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور

محلِ فروخت: سیلز آفس، اقبال اکادمی پاکستان، سروسز بلاک، ایوان اقبال کمپلیکس، لاہور

اِنتساب

کلامِ اقبالؒ کی تفہیم کے حوالے سے

گُل زمینِ ڈیرہ غازی خان، تونسہ شریف کے

مایہ ناز اقبال شناس، شاعر اور سیرت نگار،

مولوی صالح محمد ملغانی بلوچؒ (ادیب تونسوی)

کے نام

جنھوں نے سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں پیامِ مشرق رُباعیاتِ فارسی کی اُردو شرح لکھی۔ اُن کے نام اقبالؒ کے ۱۷ مکاتیب کا مطبوعہ متن بھی محفوظ ہے۔

حُسنِ ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	اِنتساب	۳
۲	سُخنے چند	۷
۳	اقبالیاتی احوال نامہ: اِبتدائیہ	۱۵
۴	اقبال سے پہلی ملاقات: ۲۷ مارچ ۱۹۳۷ء	۲۹
۵	اقبال سے دوسری ملاقات: ۳۰۔اپریل ۱۹۳۷ء	۳۵
۶	اقبال سے تیسری اور آخری ملاقات: ۲۴ دسمبر ۱۹۳۷ء	۳۹
۷	حواشی	۵۳
۸	ضمیمہ جات	۶۳
۹	اِشاریہ	۶۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُخنے چند

اللہ کریم نے انسان کو علم سکھایا۔علم میں فضیلت ہے جس کی بدولت انسان فرشتوں سے افضل ٹھہرا۔علم سکھانے والا اُستاد ہوتا ہے۔علامہ محمد رمضان خان عطائی بھی ایک اُستاد تھے جو کوہ سلیمان کے دامن اور دریائے سندھ کے مغربی کنارے بلوچوں کے آباد کردہ خوبصورت شہر ڈیرا غازی خان میں ۲رجنوری ۱۸۹۶ء کو اللہ داد خان بن محمد خان ترین کے ہاں پیدا ہوئے۔محمد رمضان عطائی نے ابتدائی تعلیم ڈیرا غازی خان میں حاصل کی۔ بعدازاں محکمہ تعلیم میں ملازم ہو کر مختلف عہدوں اور مقامات پر فرائض انجام دیتے رہے۔جن میں: مظفر گڑھ (۱۹۲۸ء)، راجن پور (۱۹۲۹ء)، خانیوال (۱۹۳۲ء)،جہلم (۱۹۳۸ء)، بھکر (۱۹۴۲ء)، میاں والی (۱۹۴۴ء) شامل ہیں۔ وہ ۲رمئی ۱۹۴۹ء کو ڈیرا غازی خان کی قدیم اور ممتاز علمی درس گاہ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا، کے ''صدر معلم'' تعینات ہوئے اور اسی ادارے سے ۴رجنوری ۱۹۵۰ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔علم وادب محمد رمضان عطائی کا اوڑھنا بچھونا رہا۔انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے ایم۔اے فارسی اور ایم۔او۔ایل کی ڈگریاں حاصل کیں۔خود شاعر تھے۔اُردو، فارسی بعض روایتوں کے مطابق عربی اور جاٹکی کے غیر مطبوعہ دواوین مرتب کیے۔ وہ بلا کے روزنامچہ نویس تھے۔جن کی تعداد ۴۳ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔اُن میں سے ۲۱۴۰ صفحات پر مشتمل درج ذیل روزنامچے راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

جیبی سائز روزنامچے

یکم جنوری ۱۹۳۳ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۳۳ء	۳۶۵ صفحات
یکم جنوری ۱۹۳۴ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء	۳۶۵ صفحات
یکم جنوری ۱۹۴۶ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۴۶ء	۳۶۵ صفحات
یکم جنوری ۱۹۴۸ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء	۳۶۶ صفحات

یکم جنوری ۱۹۵۸ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۵۸ء	۳۶۵ صفحات
یکم جنوری ۱۹۵۹ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء	۳۶۵ صفحات
یکم جنوری ۱۹۶۵ء	تا	۳۱ دسمبر ۱۹۶۵ء	۳۶۵ صفحات

بڑی تقطیع روزنامچے

۱۸ جنوری ۱۹۴۷ء	تا	۳۱ جولائی ۱۹۵۲ء	۳۷۷ صفحات
۱۲ اگست ۱۹۵۲ء	تا	۲۴ فروری ۱۹۵۶ء	۲۸۱ صفحات
۲۴ فروری ۱۹۵۶ء	تا	۲۱ ستمبر ۱۹۶۰ء	۳۷۷ صفحات
۲۲ ستمبر ۱۹۶۰ء	تا	۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء	۳۷۵ صفحات

کتابی سائز روزنامچے

۲ ستمبر ۱۹۶۲ء	تا	۱۳ ستمبر ۱۹۶۲ء	۴۰ صفحات
۱۰ مارچ ۱۹۶۸ء	تا	یکم جون ۱۹۶۸ء	۴۵ صفحات

اُن کے روزنامچے، معاصر احوال و واقعات کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ محققین کے لیے بیش بہا علمی خزانہ رکھتے ہیں۔ برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسی دوسری شخصیت گزری ہو جس نے اس استقامت کے ساتھ اس قدر بڑی تعداد میں روزنامچے لکھے ہوں۔ عطائی نے جو روزنامچے تسوید کیے اُن میں کئی لعل و گہر اور نادر معلومات مِل سکتی ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روزنامچوں کے مندرجات کی حیثیت 'تاریخ' میں بدل جاتی ہے۔ اِس حوالے سے عطائی کی جملہ علمی و ادبی خدمات کا دریافت کرنا ابھی باقی ہے۔ انھوں نے جو اپنا شعری دیوان لکھا تھا اس کی جستجو اور اشاعت، عطائی کا ایک اور ادبی پہلو سامنے لے آئے گا۔

محمد رمضان عطائی، فارسی دانی کے سبب، اقبالؒ کے مسحور کُن کلام سے متاثر ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اُن کو اپنی مشہور رُباعی: ''تُو غنی از ہر دو عالم من فقیر'' بخش دی تھی۔ اِس احترام میں اُنھوں نے لاہور جا کر ۲۷ مارچ ۱۹۳۷ء کو، علامہ اقبالؒ سے پہلی تشکراتی ملاقات کی تھی۔ اُنھیں تین بار علامہ اقبالؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ان ملاقاتوں کے احوال کو اُنھوں نے اپنی

ایک خودنوشت میں محفوظ کرلیا جو لگ بھگ ۴۸-۱۹۴۷ء کی محررہ معلوم ہوتی ہے۔ اِس ''اقبالیاتی احوال نامہ'' میں اُن کی علی بخش، جاوید اقبال، منیرہ بیگم، چودھری فضل داد، محمد شفیع اور چودھری محمد حسین سے ملاقاتوں کے علاوہ اپنے پیرومرشد حضرت فیض محمد شاہ جمالیؒ اور سفرِ حج کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ علامہ اقبالؒ سے ملاقاتوں میں اُنھوں نے اقبالؒ کو ایک حقیقی ''فدائے رسولؐ'' کی حیثیت سے پایا۔ اُنھوں نے کلامِ اقبالؒ پر تضمینات لکھیں اور اقبالؒ سے دادِ تحسین حاصل کی۔ اقبالؒ کی پیروی میں شعری طبع آزمائی کی۔ اقبالؒ کی وفات پر اُنھوں نے رثائے اقبالؒ بہ عنوان ''آہ اقبال آہ!'' لکھا جو پُرتاثیر حزیں خیالات کا ترجمان ہے:

آہ! اقبال۔ آہ!

گرد آلودہ فلک پر ہے تاریکی چھائی ہوئی
ہے قضا گویا فضائے دہر میں آئی ہوئی
ہر زُباں خاموش ، ہر لب بند ہے مثلِ سکوت
آہ اٹھتی ہے جگر سے لیک گھبرائی ہوئی
فلک پہ شمس و قمر خاموش و سر افگندہ ہیں
ہے رخِ ارضِ وسیع پر مُردنی چھائی ہوئی
وسعتِ ہندوستاں ، ماتم کدہ سا بن گئی
ہے طیورِ چمن کی ، آواز گھبرائی ہوئی
بختِ ہند سے شانِ اقبالی کنارہ کش ہوئی
نظر آتی ہے ، گھٹا ادبار کی چھائی ہوئی
لے گئی اقبال کو ، آ کر قضا سُوئے عدم
بد نصیبی کی ، جہاں میں ، بزم آرائی ہوئی
لے گئی طلبِ اجل ، مُلکِ ادب کا تاج دار
جس کی ہیبت تھی جہانِ شعر پر چھائی ہوئی!''

اقبالؒ کی وفات کے بعد بھی، اُن سے، اُن کا روحانی تعلق قائم رہا اور وہ علامہ اقبالؒ کے

عرس مناتے رہے۔ گویا:

صحبتِ صالح تُرا ، صالح کُند

اور

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد

کے مصداق، اقبالؒ اور اُن کی بخشیدہ بے مثال رُباعی کے موجب، عطائی کو شہرتِ دوام حاصل ہے۔ محمد رمضان عطائی کا، مطبوعہ اقبالیاتی دُنیا سے تعارف ۱۹۴۴ء میں اُس وقت ہوا جب پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے اپنی تالیف ''اقبال نامہ، جلد اوّل'' کے فہرست صفحہ ''پ'' پر ''ماسٹر محمد رمضان عطائی میانوالی'' لکھا۔ میانوالی شاید سہواً لکھا گیا جبکہ محمد رمضان عطائی، ڈیرا غازی خان بلاک ۴ کے مسکونہ تھے اور صفحہ ۳۳۸ پر علامہ اقبالؒ کی 'شہرہ آفاق رُباعی بخشیدہ مکتوب گرامی' کے عکسِ تحریر میں، واضح انداز میں D. G. Khan مرقوم ملتا ہے۔

محمد رمضان عطائی طبعاً درویش منش اور فطرتاً اصفیاء و اولیاء اللہ سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے۔ وہ فدائے رسولؐ اور شیدائے اقبالؒ تھے۔ وہ شانِ محمدﷺ میں گستاخی کرنے والے جابر سے جابر حکمران کے خلاف کمرِ ہمت کس لیتے تھے۔ وہ علامہ اقبالؒ کے بارے میں کم علمی کے سبب ناقص آراء قائم کرنے والوں کی برموقع اصلاح کر دیتے تھے۔ خواجگان تونسہ شریف کے عرس کے موقع کا ایک ایسا واقعہ اُن کے روزنامچہ مورخہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۳۔۶۱ پر موجود ہے۔ بہ قول اُن کے:

> ''[جب میں] وہاں پہنچا تو نعت خوانی شروع تھی مگر آزری صاحب ڈپٹی کمشنر اور دوسرے سگارٹ پی رہے تھے۔ نہایت تحکمانہ لہجے میں انگریزی زبان میں [اُن سے] کہا:
>
> Give up smoking at once! Are you Muslims? "Nat" of the Holy Prohpet is being sung and you are smoking? Very sorry!!
>
> پس بمجرد فقیر کے حکم پر سب نے سگارٹ بجھا دیے۔ تین گھنٹے تک میاں محمد علی اور میاں محمد شفیع قوال نے مزے دکھائے۔ قوالی ختم ہونے پر فقیر نے سب صاحبان سے معذرت چاہی اور عرض کیا:
>
> "Now you may go on smoking freely."

لیکن ڈپٹی کمشنر بہادر نے کہا:

"I can go without smoking for whole the night!"

اس کے بعد باتوں باتوں میں ڈاکٹر اقبال (اسسٹنٹ سرجن تونسہ شریف) نے ڈاکٹر علامہ اقبال پر نکتہ چینی کی۔ پس مجھے طیش آ گیا اور بہ بانگِ دہل کہا۔ افسوس ہے کہ آپ کے والدین شریفین نے تو تبرک کی غرض سے آپ کا نام اقبال رکھا ہے۔[جب] کہ آپ با اقبال ہو کر، شکوہ بھی اپنے محسن کا کر رہے ہیں؟ اپنے الفاظ واپس لیں ورنہ ابھی کچومر نکال دوں گا؟ کبھی لاہور جا کر دیکھا ہے کہ ایک روحانی سر یعنی حضرت علامہ اقبالؒ کے سر پر فرشتے درود وسلام کے تحائف بھیج رہے ہیں، دوسرے مجازی سر[وں] کے سر پر اُلو بھی نہیں بولتا؟ پس ڈاکٹر اقبال نے سب کی موجودگی میں معذرت خواہ ہو کر اپنے الفاظ واپس لیے۔ ہم چلتے بنے۔''

الحاج محمد رمضان عطائی کا ۷رجمادی الاول ۱۳۸۸ھ/۲راگست ۱۹۶۸ء، بروز جمعۃ المبارک، انتقال ہوا۔ وہ نواب غازی خان میرانی بلوچ والی ریاست ڈیرا غازی خان اور ملا قائد شاہؒ کے مزارات سے مشرقی جانب چند قدم کے فاصلے پر آسودۂ خاک ہیں۔ جہاں اُن کی لوحِ تربت پر، اقبالؒ کی بخشیدہ رُباعی کندہ ہے۔ محمد رمضان عطائیؒ نے پسماندگان میں تین پسران اور تین دُختران چھوڑے۔ پسران کے نام علامہ اقبالؒ سے عقیدت کی بنا پر: اقبال عطا محمد، اقبال فدا محمد اور اقبال گدا محمد رکھے۔ اقبال عطا محمد بعد میں حافظِ قرآن اور فورمین جی ٹی ایس بنے۔ ۱۶رستمبر۲۰۱۱ء کو انتقال ہوا۔ اِن کے دو فرزند ابوالحیات (ریٹائرڈ ملازم پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، خضر حیات اور دو دُختران ہوئے۔ اقبال فدا محمد ''ڈبلیو پی آئی ڈی'' میں ملازم رہے۔ اور پھر پاکستان کے نامی گرامی میجک فنکار کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ ۹رفروری۱۹۷۹ء کو انتقال ہوا۔ اُن کے دو فرزندان جُنید اقبال لیکچرر (ڈویژنل پبلک سکول وکالج ڈیرا غازی خان)، شعیب اقبال اور ایک دُختر ہوئیں، جواب سویڈن کی سٹاک ہوم یونیورسٹی میں بطور انگریزی لیکچرر تدریسی امور سرانجام دے رہی ہیں۔ جبکہ اقبال گدا محمد یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ چھاہ بری بالا، تُمن کھوہ سغ میں منیجر کے عہدے پر فائز رہے۔ اُن کا ۴رجون ۲۰۰۵ء کو انتقال ہوا۔ ان کے چھ پسران: دل نواز خان ایڈووکیٹ، مصطفیٰ نواز خان (بزنس، شعبہ پراپرٹی)، اکبر نواز عطائی (سیاسی کارکُن وصحافی

'پلیڈر')، عاطف اقبال، کاشف اقبال (ایڈووکیٹ)، علی نواز خان (بزنس، میڈیکل ایجنسی) اور چار دُختران ہیں۔

علامہ اقبالؒ سے محمد رمضان عطائیؒ کی ملاقاتوں کا ''احوال نامہ'' تحقیقی مقاصد کے حوالے سے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سرزمینِ ڈیرا غازی خان کے حوالے سے ایک دلچسپ اقبالیاتی ادب پارہ ہے۔ عطائی کا اُسلوبِ تحریر مصورانہ ہے جس میں ''تماشا'' کی طرح مختلف مناظر، انسان کی آنکھوں کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ وہ برموقع اور برمحل اُردو، فارسی اشعار کے استعمال سے بیان کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ دستاویز کے مطالعہ سے انسان، آغاز تا آخر خود کو ایک جیتے جاگتے ماحول میں محسوس کرتا ہے۔ جہاں اقبالؒ کے اقرباء، احباب اور اُن کے ملنے جُلنے والوں سے آشنائی ہوتی ہے۔ اس سے اقبالؒ کی فرزانگی، علمیت، ذہنِ رسا، اعلیٰ ادبی شعور، رُجحانات اور فکری رِفعت کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ اقبالؒ کی ہمالہ جیسی بلند شخصیت کی جھلک کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اقبال کی مجلسی گفتگو کو سُنا جا سکتا ہے۔ اقبالیاتی ملفوظات کے حوالے سے یہ ایک یادگار دستاویز ہے۔ اور اب یہ تحقیق و تدوین کی بھی ایک کڑی ہے جسے متنِ مسودہ کے مطابق مِن وعن پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ تاہم جدید تحقیقی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ علاماتِ اوقاف کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور جہاں کہیں مسودہ میں کوئی لفظ، رواروی کی تحریر میں رہ گیا تھا، اُسے اپنی فہم کے مطابق بریکٹ [ ] میں لکھ کر مکمل کیا گیا ہے۔ علامہ رمضان عطائی کے عہد میں اُردو شکستہ نویسی کا انداز، آج کی نوِشت سے قدرے مختلف تھا۔ اُن دنوں مفرد الفاظ کو جوڑ کر لکھنے کا چلن عام تھا جبکہ معاصر عہد میں ہر علیحدہ لفظ کو الگ لکھنا درست خیال کیا جاتا ہے۔ اِس طرح وہ الگ الگ متفرق الفاظ، جن کو متن میں مرکب صورت میں اور ملا کر لکھا گیا؛ کو علیحدہ علیحدہ کر کے لکھا گیا ہے، جیسے:

آبدیدہ (آب دیدہ)، آپکی (آپ کی)، آئیگا (آئے گا)، ابتک (اب تک)، اسدفعہ، (اس دفعہ)، اُسدن (اُس دن)، اسقدر (اس قدر)، اُسکو (اُس کو)، اُسکی (اُس کی)، اُسکے (اُس کے)، اسواسطے (اس واسطے)، اسوقت (اس وقت)، اسیطرح (اسی طرح)، الہداد (اللہ داد)، اِنشاءاللہ (اِن شاءاللہ)، اُنکو (اُن کو)، اُنکی (اُن کی)، اُنکے

(اُن کے)، اوڑھکر (اوڑھ کر)، اینجانب (ایں جانب)، اینکہ (ایں کہ)، بتاریخ (بہ تاریخ)، بخدا (بہ خُدا)، بذریعہ (بہ ذریعہ)، بروز (بہ روز)، بسبب (بہ سبب)، بسجود (بہ سجود)، بطور (بہ طور)، بظاہر (بہ ظاہر)، بفضلہٖ (بہ فضلہٖ)، بقول (بہ قول)، بکثرت (بہ کثرت)، بلکہ (بل کہ)، بمشک (بہ مُشک)، بمصداق (بہ مصداق)، بمطابق (بہ مطابق)، بوقت (بہ وقت)، بہتر (بہ تر)، بھیجکر (بھیج کر)، بیٹھینگے (بیٹھیں گے)، بیداد (بے داد)، بیقرار (بے قرار)، بیکراں (بے کراں)، پڑھکر (پڑھ کر)، پڑھینگے (پڑھیں گے)، پوسٹماسٹر (پوسٹ ماسٹر)، پہنچکر (پہنچ کر)، پیشتر (پیش تر)، پیشرو (پیش رو)، تحصیلدار (تحصیل دار)، تنخواہ (تن خواہ)، جامپوری (جام پوری)، جائیداد (جائے داد)، جائیگا (جائے گا)، جبکہ (جب کہ)، جستجو (جُست جُو)، جسطرح (جس طرح)، جسمیں (جس میں)، چلدیا (چل دیا)، چنانچہ (چناں چہ)، چونکہ (چوں کہ)، حالانکہ (حال آں کہ)، خانیوال (خانے وال)، دامنگیر (دامن گیر)، دلچسپی (دل چسپی)، دولتکدے (دولت کدے)، دیکر (دے کر)، دیکھکر (دیکھ کر)، دینگے (دیں گے)، ذیشان (ذی شان)، راولپنڈی (راول پنڈی)، رکھکر (رکھ کر)، رہیگا (رہے گا)، سبکدوش (سبک دوش)، ستمگر (ستم گر)، سرخرو (سرخ رو)، سمجھدار (سمجھ دار)، سُنکر (سُن کر)، سوچونگا (سوچوں گا)، شاہجمالیؒ (شاہ جمالیؒ)، طلبگار (طلب گار)، غازیخان (غازی خان)، غرضیکہ (غرض کہ)، فضلداد (فضل داد)، قدمبوس (قدم بوس)، قدمبوسی (قدم بوسی)، قلمبند (قلم بند)، قلمدان (قلم دان)، قلمزن (قلم زن)، کریگا (کرے گا)، کرینگے (کریں گے)، کسطرح (کس طرح)، کہدیا (کہہ دیا)، کہونگا (کہوں گا)، کیلئے (کے لیے)، کیواسطے (کے واسطے)، کیونکہ (کیوں کہ)، گفتگو (گفت گو)، لیجاتا (لے جاتا)، لیجاتی (لے جاتی)، لیجاؤنگا (لے جاؤں گا)، لیکر (لے کر)، لیگیا (لے گیا)، لیگئے (لے گئے)، ماہوار (ماہ وار)، مبارکباد (مبارک باد)، ملکر (مِل کر)، نمکپاشی (نمک پاشی)، نہوتا (نہ ہوتا)، نہوتی (نہ ہوتی)، نہوگا (نہ ہوگا)، نہوگی (نہ ہوگی)، نہونے (نہ ہونے)، ہمراہ (ہم راہ)، ہمشیرہ ام (ہم شیر اَم)، ہوبہو (ہُو بہ ہُو)، ہیچمدان (ہیچ

مدان)، یونیورسٹی (یونی ورسٹی) وغیرہ۔

اس طرح چند الفاظ: ''چوہدری، دہرنے، کئے، لئے، ھے'' کو موجودہ اِملا ''چودھری، دھرنے، کیے، لیے اور ہے'' سے بدل دیا گیا ہے۔ نیز دیباچہ، حواشی، ضمیمہ جات اور اشاریہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اقبالیاتی دستاویز، علامہ محمد رمضان عطائی کے فرزندِ ارجمند: اقبال گدا محمد مرحوم نیز عطائی کے پوتے اکبر نواز عطائی اور جنید اقبال کے بے لوث تعاون و اِذن سے نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔ گر قبول اُفتد زہے عز و شرف!

آخر میں ناظم اقبال اکادمی پاکستان کا ممنون ہوں جنھوں نے اِس اقبالیاتی تصنیف کی 'اقبال اکادمی پاکستان' جیسے مؤقر ادارے سے اشاعت کا اہتمام کیا۔ مُتشکرم، دخترم ڈاکٹر گل رابیہ مریم قیصرانی کا، جنھوں نے پروف ریڈنگ میں معاونت کی۔ فقط، طالبِ دُعا!

ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ
(پی ایچ ڈی اُردو، ایم فِل اِقبالیات (سندِ اِمتیاز)، ایم اے اُردو،
ایم اے تاریخ (سندِ اِمتیاز)، ایم اے سیاسیات، بی ایڈ، ایم ایڈ)
وِزیٹنگ لیکچرر، شُعبۂ بلوچی، غازی یونی ورسٹی، ڈیرا غازی خان
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ/ ۹/ نومبر ۲۰۲۳ء

☆☆☆

اقبالیاتی احوال نامہ

ابتدائیہ:

''[1] فیضِ دو عالم شُدہ دُرِ یتیمؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنسانی زندگی بھی عجب زندگی ہے۔اِس خیال سے کہ شاید کبھی بہ مصداق:

ایں جانِ عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
روزے رُخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

بہت جلد ہی وصالِ جاناں میسر آئے۔اگرچہ بہ ظاہر اِس بیت کے مطابق جس میں اپنی تاریخ موت کہی ہے،ابھی دیر ہے:

زِفیضِ محمدؐ عطائی پرید   بجائیکہ آدم نہ ہرگز رسید
۴   ۸   ۹   ۱ [ء]

(میرے حضرت،غریب نواز فیض شاہ جمالیؒ[2] نے یوں فرمایا:

''بجائیکہ آدم نخواہد رسید''

''خ'' کے سبب صدیوں کا اضافہ ہوگا۔)

چاہتا ہوں کہ اُن تین ملاقاتوں کا مختصر حال قلم بند کر چھوڑوں جو ۱۹۳۷ء میں جب کہ بندہ امتحان ایم۔اے کی تیاری کی غرض سے لاہور میں مقیم تھا؛ حضرت پیرو مُرشد قبلہ علامہ اقبال صاحبؒ سے میسر آئیں۔چونکہ حضرت حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم نے فقیر کو رباعی ذیل عطا

فرمائی تھی:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰؐ پنہاں بگیر

میرے دل میں تڑپ تھی کہ حضرت مرحوم کی اس فیاضی کا شکریہ ادا کروں۔اس کے علاوہ محبی و مشفقی حضرت حافظ عبدالکریم ملک ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع دیرہ غازی خان نے اصرار فرمایا تھا کہ:

حضرتِ علامہ سے ضرور ملو۔وہ درویش ہیں۔

میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ وہ سر ہیں، ڈاکٹر ہیں، بیرسٹر ہیں اور میں ایک مسکین فقیر۔ممکن ہے وہ بے اعتنائی سے کام لیں اور مجھے شاق گزرے۔تاہم قدرت نے عجب سامان بہم پہنچائے اورحضرتِ مرحوم کو، حافظ عبدالکریم ملک ایم۔اے کے الفاظ سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر درویش پایا۔خوب!

اِس سے پیش تر کہ ملاقاتوں کا حال قلم بند کروں، مناسب سمجھتا ہوں کہ رُباعی بخشیدہ کے متعلق بھی کچھ لکھ چھوڑوں کہ کس طرح یہ نعمتِ غیر مترقبہ، فقیر کے کانوں تک پہنچی، کس طرح اس سے محظوظ ہوا اور کس طرح اس کے حصول کے لیے علامہ مرحوم کو ایک عریضہ لکھا، وغیرہ وغیرہ (آپ سر، میں بے سر، آپ اقبال، میں مجسم ادبار وغیرہ۔)

یہ امر تو کسی پر مخفی ہی نہیں ہے کہ فقیر کو زمانے کے انقلاب کے سبب مختلف مقامات کی گردش نصیب رہی۔تونسہ شریف سے مظفرگڑھ پہنچا، پھر دوبارہ کرم ہوا تو پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہو کر دیرہ غازی خان لوٹا۔ بارِ دیگر بختِ واژگوں نے پلٹا کھایا تو ۱۹۳۲ء میں P.A. to District Inspector of Schools, Dera Ghazi Khan. سے Revert ہو کر خانے وال سکول میں بہ طور سیکنڈ ماسٹر تبدیل ہوا۔ وہاں پر چودھری صاحب (چودھری بشیر حسین صاحب ضیائی) ہیڈ ماسٹر تھے۔اِدھر عطائی اُدھر ضیائی، خوب لطف آ گیا۔وہ بھلے مانس بڑے لیٹریری انسان تھے۔ان

کی تمام تن خواہ کتب اور رسائل پر صرف ہوتی تھی۔

انہی ایام میں وہاں ایک صاحب مولوی محمد ابراہیم نام، متوطن امرتسر، سب جج لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی ماشاءاللہ بڑے عالم فاضل اور علم دوست! ضیائی صاحب اور اُن کی بہ طور افسرانِ ذی شان ملاقاتیں۔ فقیر بھی کبھی کبھی ضیائی صاحب کے ہم راہ ہوتا تھا۔ چوں کہ فقیر نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی ہے۔ سوٹا ہاتھ میں اور تولیہ کندھے پر۔ پس مجھے اپنے دیسی لباس اور لمبی داڑھی والا دیکھ کر مولوی محمد ابراہیم صاحب کو یہی گمان رہا کہ یہ عربی مدرس ہے۔ اتنے میں یہ کرم ہوا کہ حضرت قبلہ مولوی صاحب فیض شاہ جمالیؒ کی دُعا سے فقیر ڈیرہ غازی خان واپس تبدیل ہو آیا۔ کیوں کہ شیخ محمد ظہور الدین صاحب نے میری اپیل آگے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ اس کے پیش رو ''راجے'' کی پھٹتی تھی۔ پس مجھے ڈیرہ غازی خان بھیج کر اُس ستم کی اشک شوئی کی جو ''اندھا راجہ بے دادنگری'' نے کیا تھا کہ ایک چھوڑ، دو چار مجرموں کو جنھوں نے سرکاری رقوم تک غبن کی ہوئی تھیں، بچایا اور مجھے Revert کرا دیا تھا۔ عین اُس وقت جب کہ میں راجن پور کی ہیڈ ماسٹری پر جانے والا تھا، فقیر نے اِسی پر ہی قناعت کی کہ چلو، گھر ہی پہنچ گئے۔ کیا کسی سے انتقام لینا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ ہی منتقمِ حقیقی ہے۔

خدا کی شان! کچھ دنوں بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب، چیف جسٹس سر شادی لال کی بے انصافی اور تعصب کا شکار ہوئے اور سزا کے طور پر اُن کو یہاں ڈیرہ غازی خان یعنی پنجاب کے انڈومان میں بھیج دیا گیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بہت اُداس ہوا۔ ضیائی صاحب سے بہ وقت الوداع کہا کہ:

> یار میں تو دریائے سندھ کے پار چلا ہوں، وہاں یہ علمی مشاغل کب نصیب ہوں گے، جہاں کے لوگوں کے متعلق سُنا ہے کہ سکھ ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

ضیائی صاحب نے اُن کو فقیر کا پتا دیا تو کہنے لگے:

> وہ عربی مدرس جو آپ کے ساتھ پھرا کرتا تھا اور جسے آپ قبلہ عطائی کہتے تھے؟

غرض کہ ضیائی صاحب نے اپنی شان کے مطابق مجھ ہیچ مدان کے متعلق اُن کے ذہن میں اچھے خیالات بٹھا دیے۔ چنانچہ مجھے عربی مدرس کی حیثیت سے اٹھا کر انگریزی دان اور انگریزی

مدرس بنا دیا۔ حالانکہ میرے لیے عربی مدرس ہونا باعثِ صد عزت و افتخار ہے۔ کاش کہ عمر کے آخری حصہ میں عربی شریف ہی پڑھنا پڑھانا نصیب ہو! آمین، ثم آمین، فثم آمین۔

پس مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۹۳۳ء میں یا اس کے آخر میں ڈیرہ غازی خان میں براجمان ہوئے اور آتے ہی سرکار ایں جانب کا سلام کیا۔ اِدھر اُن دنوں ایم۔اے صوفی ڈسٹرکٹ اور سیشن جج تھے، جو بڑے نیک اور شریف انسان تھے۔ چنانچہ ایک عید الفطر کے موقع پر (جو مشاعرہ حضرت مجی قبلہ عطا محمد خان صاحب وکیل مرحوم[۳] نے منعقد کرایا تھا) کرسی صدارت کو زینت بخشی تھی۔ فقیر نے نہ صرف ان پر شعرِ ذیل پڑھ کر چوٹ کی تھی بلکہ ایک زبردست تقریر میں صدرِ بلدہ کی بھی جو مسلم نما کافر اور غدارِ قوم ہے، خوب دھجیاں اڑائی تھیں کہ جامع مسجد شریف کا انتظام اگر تم سے نہیں ہوسکتا تو لالہ پرمانند بھوٹانی کے سپرد ہی کر دیں کیوں کہ بہ طورِ وائس پریذیڈنٹ کمیٹی کا کرتا دھرتا وہی ہوتا تھا۔

پوچھے نہیں ہے کوئی بھی ان سے مجسٹریٹ
خوں ہضم کر چکے ہیں وہ اپنے شہید کا

بہرکیف میری تقریر اور اشعارِ شرربار کا یہ اثر ہوا تھا کہ سمجھ دار ہنود نے بھی سو سو روپے کا نوٹ جیبوں سے باہر نکال لیا تھا کہ اگر چندہ کی تحریک ہو تو وہ بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔ لیکن مولوی محمد ابراہیم صاحب نے بات کو ٹال دیا تھا کیوں کہ وہ اس مشاعرے کو مذہبی رنگ نہ دینا چاہتے تھے۔ خداوندِ کریم، قبلہ صوفی صاحب کو سلامت رکھے، ان کے جگر کے پار میرے اشعار گزر گئے تھے۔ انھوں نے پوشیدہ طور پر دستِ اعانت دراز فرمایا اور مسجد شریف کی چھت مکمل ہوگئی۔ ہاں! جب کسی کے پٹھو نے یہ کہا تھا کہ: ''تم نے کیا دیا ہے؟'' تو فقیر نے اُس وقت اپنی بساط کے مطابق ۲۵ [روپے] پیش کر دیے تھے۔

یہ جملاتِ معترضات ختم کر کے اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چند ہی دنوں میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سے وہ گہری بنی کہ رات کے گیارہ بارہ بلکہ ایک بجے تک اُن کے ہاں قیام رہتا۔ اِدھر خواجہ عباد اللہ اختر تحصیل دار تھے۔ غرض یہ اتحاد ثلاثہ ایک عجب اتحاد تھا۔ علمی مشاغل رہتے تھے۔ خان عالم خان پوسٹ ماسٹر مرحوم کا ذکر خالی از دل چسپی نہ ہوگا۔ وہ بھی یہاں براجمان

تھے۔ مگر مولوی محمد ابراہیم صاحب کچھ اور چیز تھے۔ حق پوچھو تو عجب شناسا انسان تھے۔ اگر چہ بہ ظاہر وہابی نما جوان تھے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دل و جان سے قربان تھے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ۔ جس شخص کی یہ کیفیت ہو، وہ عاشقانِ رسول مقبول ﷺ پر تو اور بھی فدا ہوگا! المختصر ایں کہ صاحبِ موصوف کی رسائی اس عاشقِ پاک ﷺ یعنی حضرت علامہ اقبال مرحوم تک تھی جو آج کل کے زمانے میں سچا عاشقِ رسول مقبول ﷺ تھا۔ اگر چہ فقیر، علامہ مرحوم کے کلام کی تضمین کے سبب اُن سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا لیکن اُن سے ملاقات یا مزید راہ و رسم پیدا نہ ہوئی تھی۔

ایک موقع پر مولوی محمد ابراہیم صاحب لاہور سے تشریف لائے تو حضرت علامہ اقبال کی خدمت میں ہو کر ہی نہ آئے بلکہ ان سے رباعی ذیل سُن کر بھی آئے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰےؐ پنہاں بگیر

پس جب فقیر کو یہ رُباعی سنائی، فقیر پر جو کیفیت طاری ہوئی، اس کا علم خدا کو ہے یا جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب کو۔ غرض اس رُباعی کو سن لینے کے بعد حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب زیادہ سے زیادہ دل میں سمانے لگا۔ چنانچہ حضرت قبلہ مولوی فیض محمد صاحب شاہ جمالیؒ کے کرم اور حضرت عطا محمد خان وکیل مرحوم کی محبت کے سبب:

محمدؐ زِ عشقِ عطا یافتم
زِ عشقِ محمدؐ خدا یافتم

کی مثال ہو رہا تھا کہ بہ قولِ حضرت علامہ اقبالؒ:

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا الخ[۴]

میری قسمت کا ستارہ چمکا اور حضرت قبلہ فیض شاہ جمالیؒ نے ۱۹۳۵ء میں جب کہ وہ سخت

علیل رہ چکے تھے اور بہت ہی نحیف ہو گئے تھے (ان کی خدمت یعنی غلامی کرنے والوں میں سید چنبھو شاہ صاحب یعنی سید غلام حسین شاہ صاحب، حافظ خیر محمد صاحب سکنہ لوہار والا، مولوی پیر بخش صاحب[۵] سکنہ داجل اور یہ فقیر ہی تھے)؛ میاں محمد یار صاحب جھوک والے کے کرایہ پیش کرنے پر حجِ بیت اللہ شریف کی تیاری فرمائی۔

فقیر جو ایک دن ان کی طبع پرسی کے لیے حاضر ہوا، فرمایا:

حج شریف کی تیاری کرو۔

مگر فقیر کے پاس سوائے قبلہ غریب نواز اور رکھا ہی کیا تھا۔ کیوں کہ جو کچھ بھی کماتا تھا حضور کی غلامی میں یا آنے جانے پر ہی صرف کرتا تھا۔ پس عرض کیا کہ:

قبلہ، میرے پاس تو زادِ سفر نہیں۔

فرمایا: تجھے کیا پرواہے!

چنانچہ ڈیرہ غازی خان پہنچ کر مختلف احباب کی دستک کی۔ بعض نے مثلاً مولوی عبداللہ خان صاحب ولد حاجی جان محمد خان صاحب لُنڈ وی، حاجی صاحب سردار میر محمد خان صاحب بُزدار تحصیل دار[۶] نے قرضِ حسنہ دیا۔ مقدم الذکر کی آفرین ہے کہ جب اس کو زیور پیش کیے تو اس نے واپس کر دیے، جب رسید لکھ کر دی تو اس کو چاک کر دیا۔ میں نے کہا:

عبداللہ خان! اگر میں مر جاؤں تو پھر؟

اس نے کہا: آپ پر قربان! کیوں کہ میں نے آپ کے طفیل ایسے سینکڑوں روپے کما لیے۔

میں نے کہا: اگر تو مر جائے تو؟

عبداللہ خان نے کہا کہ: مجھے امید ہے کہ میری اولاد کو ادا کر دو گے۔

سب سے زیادہ رقم، مولوی عبداللہ خان صاحب نے دی تھی۔ حاجی صاحب سردار میر محمد خان صاحب نے دو طلائی زیور کنٹھمالہ اور کنگن مکفول کیے تھے۔ البتہ مولوی عبدالرشید صاحب نے باوجودیکہ ہزار روپیہ ان کے پاس بینک میں موجود تھا، ایک کوڑی تک اُدھار نہ دی تھی۔ بلکہ یہ مشورہ دیا تھا کہ زیورات فروخت کر ڈالو۔ مگر زیورات میں مستورات کی جان ہوتی ہے۔ یہ بات میری اہلیہ کو منظور نہ تھی۔ ادھر ہم شیر اَم صاحبہ تیار۔ کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میرا ایک مکان ہی فروخت کر ڈالو۔ ضرورت کے وقت اور پھر اس زمانے میں مکان کی قیمت بہت کم۔ آخر چارو

ناچار مبلغ بارہ سو روپیہ جمع کرلیا اور حضور قبلہ مولوی صاحب فیض شاہ جمالیؒ کے قدموں میں، ہم شیر اَم صاحبہ سمیت حج شریف پر دیارِ حبیب پاک ﷺ کو چل دیا۔ اپنے رفقاء میں حضرت قاضی صاحب (قاضی القضاۃ) قاضی محمد بخش صاحب چوٹوی مع اپنی اہلیہ محترمہ لڑکی عبدالرشید نسیم میاں صاحب اور بہار خان تھے۔

کراچی میں ہم سب، خان صاحب اب ''خان بہادر'' محمد اکبر خان صاحب ولد مہتر اللہ داد صاحب مرحوم کے ہاں قیام پذیر تھے۔ یہاں پر یہ عرض کرنا بھی موزوں معلوم ہوتا ہے کہ پیر صاحب پگھارُو والے معاملے میں حُر [۸] معرکے محمد اکبر خان کی جان کے دشمن تھے۔ اور موقع کی تاڑ میں تھے کہ اس کو قتل کر کے پیر پگھارُو کے اسرار فاش کرنے کی اُس کو سزا دیں۔ مہتر اللہ داد مرحوم میرے قبلہ گاہ حضرت مولوی فیض شاہ جمالیؒ کی خدمت میں قرآنِ کریم کو وسیلہ لائے تھے۔ حضورِ انور نے وہ تعویذ عطا فرمائی کہ محمد اکبر خان مرحوم پر گولی اثر نہ کر سکتی تھی۔ پس اُس نے پوری پوری خدمت کی۔ چوں کہ قبلہ مولوی صاحب غریب نواز بہ سبب طویل علالت بہت نحیف تھے۔ یہاں تک کہ جاتے ہوئے سفر انٹر کلاس میں کیا تھا۔ حضور کو مقوی غذا کی ضرورت تھی۔ لہٰذا خان بہادر محمد اکبر خان نے اپنی طرف سے حضورِ انور کی خدمت میں کسی قسم کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ بلکہ تیتر بٹیر وغیرہ کا گوشت ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ کراچی میں ہمارا قافلہ بہ فضلہٖ تعالیٰ ۱۸ کا ہو گیا۔ جس میں خان بہادر سردار دین محمد خان صاحب لغاری [بلوچ] مع بیوی و نونہہ و نوکرانی اور اپنے لڑکے سردار محمد علی خان شامل تھے۔ افسوس ہے کہ سردار، اب حاجی فقیر خان بُزدار کا لڑکا نور محمد خان کراچی سے واپس لوٹا۔ وجہ یہ تھی کہ جب ٹکٹ کی خانہ پُری ہوئی تو پوچھا گیا کہ:

اگر تم مر جاؤ تو تمھارا اسباب کس کو ملے؟

پس لفظ موت سے وہ بُزدار کچھ ایسا گھبرایا کہ اس نے کہا:

میں ٹکٹ ہی نہیں لیتا۔

بعد میں معلوم ہوا، چوں کہ وہ اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جا رہا تھا، اِس واسطے اُسے قدرت نے روک دیا۔

جتنے روز کراچی میں قیام رہا، خان بہادر محمد اکبر خان کی کار پر فقیر اور قبلہ مولوی صاحب

غریب نواز، سمندر کے کنارے سیر کے واسطے چلے جایا کرتے تھے۔ تا کہ سمندر کی ہوا سے اپنی طبائع مانوس ہو جائیں۔ غرض جہاز پر نہایت آسانی سے سوار ہوئے۔ اور صاحب موصوف کی مہربانی سے اچھی جگہ مل گئی۔ وہاں پر مزید لطف کیوں نہ ہو؟ ایک تو حجِ بیت اللہ شریف اور پھر پیرِ کامل کی معیت میں! سبحان اللہ وبحمدہٖ! حجاج لوگ تو کعبہ شریف کا طواف کرتے تھے مگر فقیر اپنے پیرومُرشد کا طواف درطواف کرتا چلا جاتا تھا۔ اور حضرت حافظ شیرازیؒ کا شعر پڑھتا تھا:

جلوه بر من مفروش اے ملک الحاج کہ تو

خانہ مے بنی و من خانۂ خدا مے بینم

اس پر طُرہ یہ کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ میں جہاں حجاج لوگ اوراد و وظائف پڑھتے اور مناسکِ حج ادا کرتے تھے۔ وہاں یہ فقیر حضرتِ علامہ مرحوم کی (نہیں نہیں......اب تو اپنی) رُباعی پڑھتا اور لطف اٹھاتا تھا۔ فیوض و الطافِ جاناں بے کراں تھیں۔ چنانچہ ایک جمعہ کے دن حرم نبوی ﷺ میں میرے قبلہ گاہ عربی لباس میں ملبوس بیٹھے تھے۔ میرا ستارہ چمک اٹھا۔ اور دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ یہاں حضورِ انور سے تجدید بیعت کرلوں۔ پس فوراً حضرت قبلہ فیض شاہ جمالی ونورلم یزالیؒ کی بارگاہِ عرش پناہ میں گزارش کی کہ:

قبلہ، ایک شخص حضورِ انور کی بیعت ہونا چاہتا ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا: بلاؤ۔

پس فقیر دو زانو ہو گیا اور سر بہ سجود ہو کر عرض کیا: قبلہ، بیعت ہونے والا، یہ غلام بے دام ہے۔

اس پر حضرت قبلہ مولوی صاحب غریب نواز نے فقیر کا ہاتھ پکڑا۔ اور اپنا دستِ مبارک فقیر کے مبارک ہاتھ پر رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کہا کہ:

''قبلہ، یہ میرا ہاتھ نہیں، حضورِ انور ﷺ کا دست مبارک ہے!''

اس تجدیدِ بیعت پر مجھے ''مبارک'' فرمائی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ اس کے بعد جو الطاف و اکرام ہوئے، ان کا اظہار مانعِ اسرار ہوگا:

بُلھے شاہ نوں پیر پڑھاوے

گُنگے ہو کے رہئیو یار!

حجِ بیت اللہ شریف سے واپسی پر عوام الناس میں یہ شہرہ ہوگیا کہ عطائی مُرتد ہوگیا ہے۔ حالانکہ یہ ایسی رجسٹری تھی، اور ہے جس کا اٹل حکم تا قیامت رہے گا۔ ظاہر بین یار لوگ بھی کسی حد تک سچے تھے۔ کیوں کہ میری ظاہری آمدورفت کچھ عرصے تک بند ہوگئی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ میں [نے] حج شریف پر جاتے وقت نہ صرف اپنے زادِ سفر کے لیے بلکہ حضرتِ ہم شیرام صاحبہ کے زادِ سفر کے لیے تقریباً ۱۲۰۰ روپے قرض لیا ہوا تھا۔ جس کی فوری ادائیگی لازمی سمجھی تھی۔ کیوں کہ بعض صورتوں میں مثلاً سردار صاحب حاجی میر محمد خان صاحب کے ساتھ وعدہ تھا کہ اگر فلاں تاریخ تک مبالغ ادا نہ کروں تو وہ زیورات مکفولہ فروخت کر کے اپنا قرض وصول کریں۔ پس حجِ بیت اللہ شریف سے واپسی پر فقیر نے حصہ رسدی ہر قرض خواہ کے قرض کی ادائیگی کے لیے ہمہ تن کوشش کی۔ اور زہے نصیب، ایک سال کے بعد بالکل سبک دوش ہوگیا۔ اُس وقت فقیر کی تن خواہ ۱۳۵ روپے تھی جس میں سے صرف ۳۵ روپے پر خود گزارہ کرتا رہا۔ اور ۱۰۰ روپے بہ ذریعہ اقساط، کسی کو دس، کسی کو بیس ماہ وار دے کر ہر ایک کے سامنے سرخ رُو ہوا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

کیوں نہ ہو؟ اب جب کسی نے کرم فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابی وامی فداہ‘ کے مبارک ہاتھوں کے سپرد کر دیا، پھر حاجت ہی کیا رہی؟

سانوں حاجت نہیں جگ سارے دی
ہے صورت یاد پیارے دی
تمنا کسی کی نہ کچھ آرزو ہے
سمایا ہوا جب کہ نظروں میں تو ہے

پس میرے قرض ادائیگی کے ایام میں حضرت قبلہ فیض شاہ جمالی نور لم یزالیؒ کی خدمت میں بہ کثرت حاضر نہ ہونے کے سبب بڑے بڑے آدمیوں کو فقیر کے ارتداد کا یقین ہونے لگا۔ چنانچہ الحاج حضرت قاضی القضاۃ قاضی محمد بخش صاحب چوٹوی نے محض اِس واسطے ایک دن کڑاکے کی دھوپ میں کرم فرمایا، ڈیرہ غازی خان میں، کہ میرے ایمان کی حفاظت کرے۔ کیوں کہ اس سے قبل وہ میرے بعض عقدوں کے حل کرنے میں خاص طور پر مُمِد ہوئے تھے۔ لیکن جب اُن کو

اُس خدائی رجسٹری کا حال سنایا تو ششدر رہ گئے۔ یعنی فقیر کی تجدیدِ بیعت، واقع مدینہ منوّرہ، بہ رُو بہ رُو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام؛ کا قصہ سُنا تو بجائے نفرت، اُلفت کی طرف مائل ہوئے۔ عجب ہے کہ فقیر کہیں سے کہیں چلا گیا۔ مدعا تو حضرتِ علامہ مرحوم سے ملاقاتوں کے حالات قلم بند کرنے کا تھا۔

ماشاءاللہ، سُنیے اور سر دُھنیے۔ تاریخ وار عرض کیے دیتا ہوں۔ چوں کہ یہ فقیر، رُباعی بخشیدہ سے کافی مستفیض ہوتا رہا تھا۔ اِس واسطے یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کاش کہ یہ رُباعی مجھے [عطا] ہوتی! پس ایک چٹھی بنام حضرت علامہ اقبالؒ، بدیں مضمون لکھی کہ:

آپ سر ہیں، فقیر بے سر۔ آپ اقبال ہیں، فقیر مجسم ادبار۔ لیکن طبع کسی صورت میں کم نہیں پائی۔

چنانچہ علامہ مرحوم کی غزلیات کا حوالہ دیا جن پر ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۲ء میں تضمین کر کے، اُن سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا۔ نیز اپنے فارسی دیوان کے چند نشتر نما اشعار بھی لکھ کر یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ فقیر کا تمام دیوان لے لیں اور یہ رُباعی عطا فرمائیں۔ پس ۱۹۔ فروری ۱۹۳۷ء کو حضرت علامہ مرحوم کی چٹھی موصول ہوئی جس میں انھوں نے از راہِ کرم رُباعی بخش دی۔ جس کی نقل حسب ذیل ہے:

"ڈیرہ غازیخان۔ بلاک نمبر ۴
جناب محمدؐ رمضان صاحب عطائی سینئر انگلش ماسٹر
گورنمنٹ ہائی اسکول ڈیرہ غازیخان
حال رخصتی ملاحظہ کریں۔

D. G. Khan

لاہور ۱۹۔ فروری ۳۷ء
جناب من۔ میں ایک مدت سے صاحبِ فراش ہوں۔
خط کتابت سے معذور ہوں۔ باقی شعر کسی کے
ملکیت نہیں۔ آپ بلاتکلف وہ رباعی جو آپ کو

پسند آ گئی ہے اپنے نام سے مشہور کریں۔ مجھے کوئی

اعتراض نہیں ہے۔ فقط

محمدؐ اقبال لاہور''

رُباعی بخشیدہ یہ ہے۔ جو حضرت اقبالؒ نے حسبِ وعدہ ارمغان حجاز میں طبع نہیں ہونے دی بلکہ اس کی بہ جائے الفاظ بدل کر ایک دوسری رُباعی رقم فرمائی ہے۔[9] مگر یہ کہاں اور وہ کہاں!

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

ور حسابم را تو بینی ناگزیر

از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

پس فقیر ایسا خوش ہوا کہ پھولے سے جامے میں نہ سمایا اور نہ حشر تک سمائے گا! ادھر اسی سال ایم۔اے کے امتحان کے لیے بھی یار لوگوں کے تقاضے کے سبب کمر بستہ ہو گیا۔ ہاں! یہ بھی عرض کر دوں کہ امتحان کا داخلہ بھیجنے سے پیش تر حضرت قبلہ مولوی صاحب فیض شاہ جمالیؒ سے عطیہ سندات ایم۔اے، ایم۔او۔ایل[10] کا پروانہ حاصل کر لیا تھا۔ سبحان اللہ!

گُر جو چاہے، سو کروا ہے

گُر خالی کاسے، بھروا ہے

اُن دنوں، حضور قبلہ غریب نواز بستی ریکٹرہ میں مقیم تھے۔ وہاں عیدالاضحیٰ کے دن ایک اور عجیب نکتہ بھی حاصل ہوا تھا جس کی تعمیل لازمی سمجھی ہے۔ اور تا دمِ زیست ان شاءاللہ العزیز اس پر عمل رہے گا۔

جب تیاری امتحان کے واسطے لاہور گیا۔ تو دل میں یہ تمنا تھی کہ حضرت علامہ اقبالؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر شکریہ ادا کروں کہ رُباعی بخش کر ممنون فرمایا ہے۔ چنانچہ اِسی ہی تمنا میں تھا کہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۷ء کو چودھری فضل داد صاحب سے حضرت داتا صاحبؒ کے دربار شریف پر ملاقات حاصل ہوئی۔ جس نے حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ تک رسائی کرائی۔ خدا

اُس کوخوش رکھے۔آمین!

۲۶/مارچ ۱۹۳۷ءمطابق ۱۲/محرم الحرام ۱۳۵۶ھ بہ روز جمعہ شریف حضرت داتا صاحب غریب نواز گنج بخش صاحبؒ کے دربار شریف پر ایک شخص مسمی چودھری فضل داد صاحب سے شناسائی اور گفت گو قابل شُنید ہے۔وہ شخص نہایت ادب کے ساتھ حضرت غریب نواز کا طواف کر رہا تھا۔اِدھر،فقیر بھی ذوق میں کھڑا کوئی شعر پڑھ رہا تھا۔جب وہ شخص پاس سے گزرا تو فقیر نے اُس کے ادب اور رِقت کے مدنظر،اُس کو چوم لیا اور گلے لگایا۔اس بھلے مانس نے فقیر کے پاؤں چوم لیے۔وہ تو سلام کر کے رُخصت ہو گیا لیکن فقیر کسی کی زُلف میں اسیر وہاں دربار شریف پر ہی کھڑا رہا۔قصہ کوتاہ!جب فقیر وہاں سے واپس لوٹا۔تو مسجد شریف میں سے گزر کر،وہاں وہ بھلے مانس بیٹھا تھا۔اُس نے دوڑ کر کہا کہ:

حضرت،براہِ مہربانی چار پانچ منٹ وقت دیجیے۔

فقیر بغل میں جُزدان دبائے اس کے پاس بیٹھ گیا۔اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ:

آپ کون ہیں،کیا کام کرتے ہیں،کہاں کے رہنے والے ہیں؟

غرض دو چار سوال کیے۔میں نے اُن کا جواب دیا کہ:

فقیر کا وطن دیرہ غازی خان ہے۔گورنمنٹ ہائی سکول میں مدرس ہوں۔اور ایم۔اے فارسی کے امتحان کی خاطر یہاں آیا ہوا ہوں۔

اُس نے میری داڑھی،عمر اور انداز کو مزید غور سے دیکھا۔اب میری باری تھی کہ پوچھوں۔

میں نے دریافت کیا کہ:

جناب کا اِسم گرامی،شغل وغیرہ؟

کہنے لگا:

مجھے فضل داد کہتے ہیں۔میں یعنی وہ چودھری فضل داد خان،سر ظفر اللہ خان کا ایجنٹ ہوں۔

اس کے منہ سے سر ظفر اللہ خان کا نام نکلنا ہی تھا کہ میں نے کہا:

لاحول ولاقوت الا باللہ العلی العظیم۔

یا بایں شوراشوری یا بایں بے نمکی!

اِس پر،اُس بھلے مانس نے نہایت متانت سے دست بستہ کہا کہ:

جناب خفا کیوں ہوتے ہیں؟ ابھی آپ نے فرمایا کہ میں گورنمنٹ ہائی سکول میں ملازم ہوں۔ پس دینے والا تو وہی ایک ہے۔ آپ کو عیسائی کے ہاتھوں اور مجھے مرزائی کے ہاتھوں! پس اس میں میرا کیا قصور ہے؟

میں نے کہا: وہ خبیث تو دہلی میں ہے۔

کہنے لگا: وہ کہیں بھی کیوں نہ ہو، مجھے مبلغ ۲۰۰ روپے ماہ وار پہنچ جاتے ہیں۔ اور میں حضرات میاں میر صاحبؒ، حضرت ابوالمعالی صاحبؒ اور حضرت داتا صاحبؒ کے، پھرتا پھراتا رہتا ہوں۔ ہاں! البتہ اگر اُس کے بھائی چودھری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر کو کبھی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے [ہاں] چلا جاتا ہوں۔

(فقیر، اُس سے عیسائی اور مرزائی والی بات سن کر سخت نادم ہوا۔ مگر دل میں۔ ظاہراً اسی طرح ڈٹا رہا۔)

جب چودھری فضل داد صاحب نے بیرسٹر کا لفظ کہا تو فقیر نے عرض کیا کہ:

مجھے بھی ایک بیرسٹر صاحب سے ملنا ہے۔

کہنے لگا: کون صاحب ہیں؟

میں نے کہا: حضرت ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحبؒ!

اِس پر اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگا:

سبحان اللہ وبحمدہٖ! آپ کے طفیل مجھے بھی ان کی زیارت ہو جائے گی۔ کیوں کہ میں بیس برس تک اُن کا قلم دان بردار رہا ہوں۔

میں نے کہا: پس یہی سبب ہے کہ اِس وقت تک مرزائی [کی] ملازمت میں ایمان بچا ہوا ہے!

پس اُس کے ساتھ عہد و پیمان، کہ کل صبح یعنی ۲۷/ مارچ ۱۹۳۷ء کو سرکار ایں جانب چودھری اسد اللہ خان صاحب کی کوٹھی پر پہنچ جائیں اور وہ یعنی چودھری فضل داد صاحب بھی وہاں نو بجے تک پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور وہ حسبِ وعدہ عین نو بجے دن وہاں پہنچ گئے۔ فقیر تو وہاں پہلے ہی ڈنڈا لیے ڈٹا ہوا تھا۔ پس کچھ دیر توقف کرنے کے بعد ہر دو نے شاہو کی گڑھی کا راستہ بہ ذریعہ بس لیا۔ اور ریلوے سٹیشن تک پہنچ گئے۔

☆☆☆

پہلی ملاقات: [۲۷ مارچ ۱۹۳۷ء]

اور ایک کوٹھی نہایت بھینی بھینی زرد رنگ والی، جس پر ''جاوید منزل'' لکھا ہوا تھا، پہنچ گئے۔ وہاں پر چودھری فضل داد صاحب کو معرکہ سلطان علی اور علی بخش نے دُور سے دیکھ کر آؤ بھگت کیا۔ عزیزہ منیرہ اور جاوید میاں بھی ملے۔ منیرہ کی دایہ ایک میم صاحبہ تھی، وہ بھی ملیں۔ حضرت علامہ اقبال صاحبؒ کو دیکھا تو اُس سے بھی زیادہ سادہ پایا جس کا ملک عبدالکریم صاحب نے کہا تھا۔ آپ ایک معمولی سی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ بازو کو سرہانہ بنایا ہوا تھا۔ (چارپائی کی تعریف سنیے، ایک اچھا خاصا پنگوڑا تھا یا اس قسم کی چارپائی تھی جس پر سرکار ایں جانب کبھی غازی منزل میوہ منڈی میں سویا کرتے تھے۔) اور ایک چادر احرام نما تھی جو اوپر نیچے لی یعنی اوڑھی ہوئی تھی۔

خیر یاروں نے چودھری فضل داد صاحب کی آؤ بھگت کی۔ حُقہ وغیرہ بنا دیا۔ دس پندرہ منٹ بعد ڈاکیا یعنی چٹھی رسان آیا۔ اُس نے آ کر آہستہ سے حضرت علامہ کے سرہانے کے قریب ایک یا دو یا تین۔ مجھے یاد نہیں، اخبارات رکھ دیے۔ اور چلتا بنا۔ اتنے میں حضرتِ مرحوم نے جو شمال کی طرف منہ کیے ہوئے تھے، کروٹ لی۔ اور جنوب کو رخ کیا۔ اور اخبارات اُٹھا کر دیکھنے لگے۔ یعنی پھر اُٹھ بیٹھے۔ دو کرسیاں وہاں پہلے ہی سے پڑی تھیں۔ میاں علی بخش نے جا کر اطلاع دی کہ چودھری فضل داد آیا ہے۔ پس حضرت نے بُلایا۔ ہم وہاں حاضر ہوئے۔ فقیر نے جا کر علامہ صاحب مرحوم کے قدم مبارک چوم لیے اور بعد، ہاتھ بھی۔ اس کے بعد ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حسب الارشاد آپ نے چودھری صاحب یعنی فضل داد صاحب سے، اُس کے بچوں عبدالغنی وغیرہ کے متعلق پوچھا۔ ازاں بعد مجھ مسکین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ:

آپ کون ہیں؟

فقیر نے جب اپنا نام غلام بے دام عطائی بتایا تو حضرت علامہ مرحوم نے دوبارہ اپنا ہاتھ بڑھایا، مصافحہ کیا اور فرمایا: آپ شعر تو اچھا کہتے ہیں!

فقیر نے عرض کیا:

قبلہ، حضورِ انور کی اُس رُباعی کے برابر جو اِس غلام کو عطا فرمائی ہے۔ میرا تمام کلام نہیں ہو سکتا۔

اِس پر فرمانے لگے کہ:

ہاں، وہ رُباعی بہت پڑھا کریں، شاید خداوند کریم مجھے اُس کے طفیل ہی بخش دے۔

پس فقیر نے رُباعی پڑھنا شروع کی:

"تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر"

خدا جانے کوئی خاص وقت تھا۔ ہر سہ پر رقت طاری تھی۔ علامہ صاحبؒ روتے تھے اور ہم کو رُلاتے تھے۔ آپ کی اُس احرام نما چادر کے تمام پلڑے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ فقیر کی پگڑی کا طرہ، ذُرہ، رومال سب اشکوں سے بھرپور۔ چودھری فضل داد صاحب کی یہ کیفیت کہ روتے روتے اس قدر اپنے آپ سے باہر ہو جاتے کہ حضرت پیرومُرشد علامہ اقبالؒ کی کفش مبارک کو اُٹھاتے، چومتے، سر آنکھوں پر رکھتے، داڑھی اور مُنہ پر ملتے تھے۔

منہ پہ ملتا ہُوں تری خاکِ قدم رو رو کر
کرنا پڑتا ہے وضو کر کے تیمّم مجھ کو

(نوٹ یہی بات ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء بہ مطابق ۲۶؍رمضان شریف ۱۳۶۶ھ فقیر کو بھی پیش آئی کہ منشی محمد حسین صاحب مہاروی جو فقیر کے ہاں تونسہ مدرسے سے واپسی کے وقت مہمان تھے۔ ظہر کے وقت فقیر کے کسی شعر پر ذوق میں آ کر روئے اور فقیر کی کفش کو اُٹھا کر اپنی ڈاڑھی سے لگایا، وغیرہ۔ اللہ اکبر!)

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ اُس کے بعد جب ۱۹۳۸ء میں چودھری فضل داد صاحب، سید فیض محمد شاہ صاحب جام پوری والے مقدمہ کی اپیل کے سلسلے میں ڈیرہ غازی خان میں اپنے بیرسٹر کے ہم راہ تشریف لائے یا پھر S.D.O وغیرہ والے مقدمے کی پیروی کے لیے آتے رہے، تو فقیر کے درو دیوار بلکہ تخت پوش کو بھی بوسے دیا کرتے تھے۔ اللہ اکبر!

با منِ خاک نشیں خیز و سُوئے میکدہ آ

تا بہ بینی کہ درآں حلقہ چہ صاحبِ جاہم

غرض یہ رِقت والانقشہ کم از کم نصف گھنٹہ تک تو ضرور جمارہا۔ جب ہم لوگ ہوش میں آئے، حضرت غریب نواز نے فرمایا: رُباعی آج تک طبع تو نہیں ہوئی، تمھیں کس طرح مل گئی؟

فقیر نے عرض کیا:

قبلہ!

ع تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اس کے بعد حضرت غریب نواز نے دریافت فرمایا کہ: آپ یہاں کیسے آئے ہیں؟

فقیر نے عرض کیا: جناب کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔

اس پر یعنی میری کلام کو قطع کرتے ہوئے چودھری فضل داد صاحب نے کہا کہ:

قبلہ، یہ بوڑھا طوطا ایم۔اے فارسی کا امتحان دینے کے واسطے آیا ہوا ہے۔

اِس پر حضرت علامہ نے فرمایا: عاشق کبھی بوڑھا نہیں ہوسکتا۔

اِس کے بعد مختلف معاملات پر گُفت گو ہوتی رہی۔ خصوصاً بلوچوں کے متعلق آپ نے یہاں تک فرمایا کہ: اصلی مسلمان تو وہی ہیں۔

میں نے اُن کی یعنی بلوچ اقوام کے متوکل علی اللہ ہونے کے متعلق عرض کیا کہ:

''کس طرح بارش اور سماوی عنایت پر اُن کی زندگیوں کا انحصار ہے۔ مہمان نوازی ختم ہے[۱۱]، غیرت، حریت، حمیت وغیرہ سب کچھ موجود!''

کچھ دیر تک مجھ سے تیاریٔ امتحان کے متعلق دریافت فرمایا کہ:

Browne[۱۲] کو دیکھا؟ Sykes[۱۳] کو دیکھا؟

میں نے عرض کیا:

قبلہ، ضرور دیکھا ہے بلکہ ان [کا] نچوڑ نکال لیا ہے۔

فرمانے لگے:

بس پھر اور کیا؟ فارسی تو آپ کی اپنی زبان ہوئی۔ وغیرہ۔

اسی اثنائے گفت گو میں چودھری فضل داد صاحب نے حضرت علامہؒ پر ایک سوال کیا کہ:

قبلہ! کیا حیوانات میں بھی شعور ہے؟

فرمانے لگے:

واہ بھئی واہ! ہرنوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدے کیے۔ دُور کیوں جاتے ہو، دُور؟ میرے دادا پیر تھے۔ باہر جنگل میں ایک کٹیا میں رہتے تھے۔ احباب کے زُمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دُور سے گرد و غبار معلوم ہوا۔ اِتنی دیر میں ایک خرگوش، آدمیوں کے اوپر سے پھلانگ کر حضرت کی چارپائی کے تلے آ گیا۔ اور اُس کے تعاقب کرنے والے کُتے پیچھے رہ گئے اور باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ پس حضور (حضرت علامہ مرحوم کے دادا پیر صاحب) نے فرمایا:

'او کملے آ! اگر تُو اس کی پناہ میں رہتا تو بھی محفوظ تھا، اب فقیر کے پاس آ گیا ہے تو بھی مامون ہے۔'

پس تمام دن حضور میں حاضر رہتا۔ رات کو باہر چلا جاتا۔ غرض سات برس تک وہ خرگوش زندہ رہا۔ چنانچہ لوگوں کا خیال تھا کہ کوئی جن ہے۔ آخر ایک دن نہ آیا تو تجسس کرنے پر، نزدیک ہی مرا پایا گیا۔ جسے باقاعدہ دفنایا گیا۔ یہ تو خرگوش ہے، ''خر۔ گوش!''

اس پر فقیر نے عرض کیا کہ:

قبلہ، حنّانہ والی بات تو اِس سے زیادہ نرالی ہے۔

پس فرمانے لگے: عطائی صاحب سُنیے:

فلسفی کُو مُنکرِ حنّانہ است
از حواسِ انبیاء بیگانہ است[۱۴]

فقیر نے اِس شعر کو دماغ میں رکھا اور باہر نکل کر فوراً ایک کتاب پر لکھ لیا۔ کیوں کہ جُزدان بھی تو ساتھ تھا۔ الغرض حضرت سے الوداع کرتے وقت فقیر نے پھر بھی قدم چوم لیے۔ فرمانے لگے: ایسا مت کرو۔

میں نے عرض کیا: قبلہ، ابھی آپ نے ''خر۔ گوش'' کا قصہ سنایا ہے۔ کیا یہ مسکین انسان ہو کر اُس خرگوش سے بھی گیا گزرا ہے؟

زیارت کر کے واپس آ گئے اور خداوند کریم کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ ''مردِ مومن'' کی زیارت ہوئی۔ اِس کے بعد فقیر امتحان کے لیے کوشاں رہا۔ پس جب ایک پرچہ باقی رہا تو دوبارہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۳۷ء کو حضرتِ اقبالؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ اور الوداع کہا!

☆☆☆

دوسری ملاقات: ۳۰/اپریل ۱۹۳۷ء

امتحان سے فارغ ہو کر گھر چلا آنا تھا۔ مکرر حضرت کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔ اِس ملاقات کی کیفیت بھی عجیب ہے۔ جب ہم حضرت حکیمِ اُمت کے درِ اقدس پر حاضر ہوئے یعنی چودھری فضل داد صاحب اور یہ بندہ۔ ہم کو دیکھتے ہی علی بخش نے کہا کہ:

بھائی آپ لوگ اُس دن حضرت علامہ کو رُلا گئے۔ اور ہفتہ تک اُن کی طبع مبارک ٹھکانے نہ آئی۔''

ہم نے عرض کیا کہ:

صرف پانچ منٹ کے واسطے ملنے کی اجازت دے دو۔ زیادہ وقت نہ لگائیں گے۔

مگر شانِ الٰہی! اِس دفعہ بھی، کافی وقت باتوں میں لگا چھوڑا۔ ہم عرض کرتے کہ:

قبلہ اجازت! کیوں کہ آپ کا وقت ضائع کیا۔

تو فرمان ہوتا کہ:

آپ سے مل کر تو راحت ہے، ہم اُن سے اجتناب کرتے ہیں جو مفت میں آ کر ہمارا دماغ چاٹتے ہیں۔

چنانچہ دوران گفت گو میں فرمایا:

ایک مسلمان پروفیسر ہے، ''Professor''! جس کا نام لینا منظور نہیں ہے۔ وہ ایک دن ہمارے پاس آیا اور کہا کہ:

بزرگوں کے مزارات پر جانا جائز ہے وغیرہ، مثلاً رسولِ ہند یا حضرت داتا صاحبؒ کے مزارات پر جانا جائز ہے؟ وغیرہ۔

میں نے عرض کیا کہ: قبلہ، آپ نے کیا فرمایا؟

فرمانے لگے:

ہم نے کہا کہ اگر تم اُن کی دربار شریف پر یہ خیال لے کر جاتے ہو کہ وہ مردانِ خدا ہیں۔ اُنھوں نے دینِ اسلام کی اشاعت فرمائی ہے۔ پس اگر تم اِسی خیال سے جاؤ کہ وہ زندہ ہیں۔ وہ مردانِ خدا ہیں۔ خدا ہمیں بھی اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے اور دینِ اسلام کی خدمت کریں۔ تو وہ بھی زندہ اور تم بھی زندہ! ورنہ وہ بھی چونا اور پتھر اور تم بھی مٹی کے بُت اور پتھر! پس اس کے بعد آج وہ ہمارے ہاں آئے گا یعنی پھر نہیں آیا۔

تصوف پر بھی گفت گو ہوتی رہی۔ آپ نے فرمایا کہ:

ہم نے بڑے بڑے اصفیاء کے متعلق پڑھا ہے۔ اور خصوصاً مسلمان معرکہ ابن الفرید تک پہنچے ہیں۔ لیکن کسی نے ایسی جُست جُو نہیں کی جیسی جرمنی[۱۵] کے ایک شخص نے کی ہے۔ (افسوس ہے، حضرت غریب نواز نے اُس کا نام بھی لیا لیکن میرے حافظہ کی کمزوری کے باعث نام یاد نہیں رہا۔ علاوہ ازیں گفت گو میں کچھ ایسی محویت تھی کہ دنیا و مافیہا کا علم نہ تھا۔) چنانچہ کچھ دن ہوئے۔ اُس نے دیوانِ منصور حلاج کی ایک کاپی ہمارے پاس بھیجی ہے۔ جس پر اس نے Comment کیا ہے۔ ہم نے محض اُس شخص کے ملنے کی خاطر ولایت جاتے ہوئے Journey break کیا تھا اور اُس سے جا کر ملے تھے۔ چنانچہ وہ بہت متمول شخص ہے۔ اس کا اکثر وقت گرجے میں بسر ہوتا ہے۔ مگر وہ پڑھتا ہے تو کیا؟ انجیل نہیں۔ بلکہ دیوانِ منصورؒ! چنانچہ دورانِ گفت گو میں ہم نے اُس سے سوال کیا کہ کہاں تم اور کہاں منصورؒ؟

اُس بندۂ خدا نے جواب دیا کہ:

'مجھے جب پہلے پہل رُوس سے حضرت منصورؒ کے دیوان کا قلمی نسخہ کئی ہزار ڈالر (افسوس ہے کہ مجھے صحیح تعداد یاد نہیں رہی) میں میسر آیا تو میں اُس کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ ایک دن مجھ پر عجب کیفیت طاری ہوئی۔ پس آج تک اُس کیفیت کا جویا ہوں!'

اس پر ہم نے کہا کہ: یہ عمل پر موقوف ہے۔

یہاں پر فقیر بندہ عطائی نے عرض کیا کہ: قبلہ، آپ کی تبلیغ و تعلیم کی آفرین ہے!

حضرت نے فرمایا: آپ کی تفہیم کی بھی آفرین ہے!

چودھری فضل داد صاحب، حالانکہ بڑا سمجھ دار انسان ہے؛ منہ تکتا رہ گیا۔ بات تھی، ہو گئی۔ اِس کے بعد حضرت پیرومُرشد نے فرمایا کہ:

پچھلے دنوں ہمارے پاس ایک انگریز آیا۔ وہ ایک عربی کتاب کا ترجمہ کر رہا تھا۔ اُسے جہاں کہیں کوئی عقدہ پیش آتا تھا۔ تو ہم سے حل کرا جاتا تھا۔ (مخفی نہ رہے، لفظ ''ہم'' میں خود ادب کے لحاظ سے استعمال کر رہا ہوں ورنہ علامہ صاحب واحد متکلم کے صیغہ کو استعمال فرماتے تھے۔) ایک دن ایک عجیب مقامِ تصوف آ گیا۔ میں نے اُس کو کافی سے زیادہ دلائل دیں مگر وہ بھلے مانس نہ سمجھا۔ آخر میں نے اُس کو علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر مسلمان ہو جائے تو یہ مسئلہ تجھ پر حل ہو جائے گا۔

فلسفی کو منکرِ حنّانہ است

از حواسِ انبیاء بیگانہ است

یہ شعر اُس دن بھی پڑھا تھا کیوں کہ ڈائری یوں بتاتی ہے مگر میرا حافظہ پہلی ملاقات کی طرف

بھی کشاں کشاں لے جاتا ہے۔غرض حضرت سے اپنے پورے آداب بجالانے کے بعد رخصت ہوئے۔سبحان اللہ وبحمدہٖ۔اُن کی صحبت میں دل کی عجب کیفیت رہتی تھی۔

سرکاراِیں جانب امتحان سے فارغ ہو کر حضرت داتا صاحبؒ کے عرس شریف کے مزے لے کر خصوصاً قوالی کے لطف اُٹھا کر جو مولوی محمد یار صاحب گڑھی والے نے علیحدہ مکان پر، جو داتا صاحبؒ غریب نواز کے ذرا شمال میں تھا، کرائی تھی۔اُس میں فقیر پر ایک مصرع نے بہت اثر کیا تھا:

ع خاکِ ما را ، پیرِ ما اکسیر کرد

غرض کہ کرائے کے روپے بھی قوالی کے حوالے ہو گئے تھے۔ اتفاق سے بابو رحمتہ اللہ صاحب ہم راہ تھے۔وہ بھی محظوظ رہے۔اور کرایہ کی رقم اُن سے ادھار لے کر گھر پہنچا۔جب آب و دانہ کی کشش کے سبب جہلم جا پہنچا تو ایک دن ایک شادی کی برادری کے نوجوانوں میں سے ایک شخص نے مجھے اُس وقت پہچانا جب کہ اِس شعر پر گاڑی کے اندر فقیر پر جوش تھا:

دیکھیے کس حسن سے پوشیدہ غم کا راز ہے
تیر میرے دل میں ہے، پردے میں تیر انداز ہے

اگر چہ فقیر نے اپنے آپ کو بہت حد تک چھپایا مگر اُس نوجوان نے یہی مصرعہ یاد دلایا کہ:

ع خاکِ ما را پیرِ ما اکسیر کرد

پس فقیر خاموش ہو رہا۔

☆☆☆

تیسری ملاقات جوتقریباً آخری جسمانی ملاقات تھی

[۲۴۔دسمبر۱۹۳۷ء]

ہزار بار بشویم دہن بہ مُشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گُفتن کمال بے ادبی ست

حضرت قبلہ فیض شاہ جمالی نورلم یزالیؒ کی کرامات ظاہر ہوئیں۔قبل از وقت سندات ایم۔اے،ایم۔او۔ایل کا پروانہ عطا فرمایا تھا۔فقیر نے نتیجہ سے ۱۵روز پہلے خواب دیکھا کہ امتحان میں کامیاب ہوں۔نتیجہ والے اخبار میں میرا نام آخری نمبر پر دوسرا ہے اور نام علیحدہ علیحدہ یعنی اس طرح پر لکھا ہے:

"Moh-

ammad Ramzan Atai"

چنانچہ ہُو بہ ہُو اِسی طرح تھا اور اب تک میرے پاس وہ کاغذ اخبار موجود ہے۔نیز اُنھی ایام میں عزیزی تاج محمد خان جسکانی [بلوچ] [۱۶] نے جن کو میرے ساتھ خاص اُنس تھا اور ہے،ظاہر ہیں ''اخوندمعرکہ'' [۱۷] سے بحث کی تھی۔وہ کہتے تھے کہ:''عطائی پاس ہونے کا نہیں۔''اور تاج کہتا تھا کہ:''وہ پاس ہوگا وغیرہ۔''پس اُس نے بھی خواب دیکھا کہ اُس نے اخوندمعرکہ کو میرے پاس ہونے کا تار جا کر دکھایا ہے کہ دیکھو عطائی پاس ہوگیا ہے۔میں سچا ہوں اور تم جھوٹے!چنانچہ اُس کا خواب بھی سو فیصدی پورا ہوا۔جس دن (غالباً ۸رجون ۱۹۳۷ء تھا) عزیزی فیض احمد خان جسکانی نے مجھے کامیابی کا تار بھیجا اور وہ تار میرے مکرم دوست قاضی کریم بخش صاحب ہیڈ ماسٹر نے اپنے دستِ مبارک سے کھولا اور ''مبارک باد'' دی۔میں نے جیب سے صہ(۵) کا نوٹ نکالا اور ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔کہنے لگے:پوئر فنڈ کے لیے ہیں؟

میں نے عرض کیا:نہیں۔یہ اِس چِٹھی رسان کے لیے ہیں جو آپ کے ہاتھوں دیا چاہتا ہوں۔

پس اُس کے بعد فوراً وضو کر کے جو دوگانہ نفل شکرانہ وہاں چھوٹے کمرے میں ادا کیا،اُس کا

مزار اب تک موجود ہے۔ اور کسی سے خطاب تھا:

تیرے بغیر میری حقیقت تو خاک تھی

جو کچھ بنا دیا مجھے تُو نے بنا دیا

پس یہ تمام خوشیاں دیکھنے کے بعد وہ وقت آ گیا جب ڈگریاں لینی تھیں۔ یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ میرے ایک دیرینہ دوست حافظ چٹھہ خان صاحب سکنہ مانہ احمدانی [۱۸] ہر پرچے والے دن صبح سویرے حضور قبلہ غریب نواز حضرت مولوی فیض محمد صاحب شاہ جمالی نور لم یزالیؒ کی خدمت میں دُعا طلبی کے لیے حاضر ہو جاتے تھے۔ اُدھر فقیر بھی عجیب نسخہ استعمال کیا کرتا تھا یعنی حضرت غریب نواز کی کفش مبارک جو خسروی سنت میں کسی صاحب سے مبلغ صہ ۵۰ ہدیہ دے کر حاصل کی تھی، اپنے سر کا تاج بنا کر ازاں بعد داتا صاحبؒ کے گنج خانے پر جا کر، بعد میں یونی ورسٹی ہال میں امتحان کے لیے شامل ہوتا تھا۔ Convocation پر جانے کے لیے اور پھر آل انڈیا نمائش کے دیکھنے دکھانے کے لیے حافظ چٹھہ خان صاحب کو بھی ہم راہ لیا کہ اُن کی اُس غلامی کا کچھ ازالہ ہو جائے جو وہ ہر پرچے والے دن کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کو بھی ساتھ لیا اور لاہور براجمان ہو گئے۔ تقریباً تمام Xmas Holidays, All India Exhibition کے دیکھنے میں صرف ہوتی رہیں۔ سوائے ۲۵ ردسمبر کے کہ ایک دن کے واسطے امرتسر میں حافظ چٹھہ خان صاحب کو دربار صاحب دکھانے کے لیے لے گیا۔ اور وہاں اپنے دیرینہ دوست خان عالم خان صاحب مرحوم کے ہاں چند گھنٹے قیام کیا۔ اللہ اکبر۔ حاجی صاحب خان صاحب، شیخ اللہ رکھا صاحب سابق انسپکٹر مدارس نے بھی اپنا نوتعمیر شدہ مکان دکھایا۔ اور عجب لطف آ گیا، سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

۲۴ ردسمبر ۱۹۳۷ء کو (کیوں کہ ۲۳ ردسمبر کو ڈگریاں حاصل کر لی تھیں) ایک عجیب لطیفہ بھی ڈگریاں لیتے وقت پیش آیا۔ سر ایمرسن کے بعد پہلا شخص یہ فقیر ہی تھا جس نے ایم-او-ایل کی ڈگری حاصل کی۔ ازاں بعد پھر ایم-اے والوں کی باری آئی تو فقیر بھی جا ڈٹا۔ غرض بہ ایں ریشِ دراز ہر ایک کی نظروں میں سما گیا۔ المختصر ایں کہ جب اجلاس ختم ہوا تو چوں کہ فقیر پہلی صف میں تھا، راجہ نریندر پرشاد، سر عبدالقادر اور عبدالطیف گابا اور رائے بہادر من موہن نے خاص طور پر سٹیج پر آ کر مجھے مبارک باد کہی۔

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست
از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت ست

سرعبدالقادر نے جب فقیر کا نام پوچھا تو عرض کیا کہ:
وہی بندہ عطائی ہوں جس نے 'مقامِ خلافت' میں لکھی ہوئی ایک رُباعی پر تنقید کی تھی۔
کہنے لگے: کون سی رباعی تھی؟
عرض کیا:

در غربتِ اگر مرگ بگیرد بدنِ من
آیا کہِ کُند قبر کہِ دوزد کفنِ من
تابوتِ مِرا بر جائے بلندے بگزارید
تا باد بُرد بوئے مِرا بر وطنِ من

عبدالطیف گابا نے جب مبارک باد کہی تو اُس کو ''رہائی'' پر مبارک باد کہی گئی۔ جب رائے بہادر من موہن نے مبارک باد کہی تو اُس کو علی الاعلان کہا کہ:

I am the same Atai, whom you refused interview yesterday!

میں وہی عطائی [ہوں]، جس کو کل آپ نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

پس وہ سُن کر ایسا دُم دبا کر بھاگا کہ کسی نے نہ دیکھا۔ البتہ میاں صاحب، میاں الحاج محمد ابراہیم صاحب پرنسپل ملتان کالج نے جو پہلے سے شناسا تھے، نہایت اچھے انداز سے علیک سلیک کی بلکہ معرکہ پر بھی رعب جما دیا۔

آمدم برسرِ مطلب! غرض ۲۴۔ دسمبر کو حضرت داتا صاحبؒ کے دربار شریف پر جمعہ نماز پڑھنے کے بعد حضرت قلندر صاحب ثانی یا ثالث بلکہ اول کے نیاز حاصل کیے گئے۔

حافظ چٹھہ خان کی بدقسمتی کہ وہ مردہ بادشاہوں، مقبروں کو دیکھنے کے لیے حافظ کلیم اللہ صاحب کی معیت میں چلا گیا اور لاہور کے زندہ روحانی بادشاہ یعنی حضرت علامہ اقبالؒ کی زیارت سے محروم رہا۔ پس چودھری فضل داد صاحب، سید حسن علی شاہ صاحب بی۔اے، بی۔ٹی مزنگ سکول والے اور سرکار ایں جانب شاہو دی گڑھی ٹھک ![19] اس دفعہ علی بخش مانع کہ:

آپ لوگ جب آتے ہیں حضرت اقبالؒ کو اِس قدر بے قرار کر جاتے ہیں کہ وہ دنوں مخمور رہتے ہیں اور بات تک نہیں کرتے۔

غرض وہ رپورٹ کرنے سے انکاری، خواہ ہم نے کی کتنی بھی ایسی آہ وزاری، کچھ نہ چلی ہماری۔ فضل داد بھی اپنا سامُنہ لے کر رہ گیا۔ شاہ صاحب بھی حیران!

پس علی بخش چلم لے کر اندر چلا گیا۔ فقیر نے للکار کر کہا کہ:

حضرت ایک فقیر دیرہ غازی خان، سندھ پار سے محض زیارت کے لیے حاضر ہوا ہے۔ اور رسائی تک نصیب نہیں ہوتی۔

اور زور سے پڑھا:

”از ادب دُورست رفتنِ بے طلب در بزمِ شاہ
ورنہ پائے شوق را مانعِ در و دیوار نیست“

غالباً میری صدا اور یہ شعر حضرت مرحوم کے کانوں تک پہنچ گئے اور حضرت نے فرمایا کہ:

یہ کون لوگ ہیں؟

وہی عطائی مجنوں اور چودھری فضل داد ہی تو ہیں جو آپ کو بے قرار کر جاتے ہیں اور آپ ہفتوں ہم سے نہیں بولتے۔

پس حضرت نے کرم فرمایا۔ اور فوراً بلا لیا۔ مگر علی بخش کی شرط وہی رہی کہ:

پانچ منٹ سے زیادہ بیٹھے تو پھر کبھی آپ کو حضرت سے نہ ملنے دوں گا۔

عرض کیا:

بہت بہ تر، ہم صرف قدم بوسی کر کے واپس لوٹ آئیں گے۔

لیکن:

قصہ ہائے یار دارد بس مقام
صد قیامت بگذارد ایں نا تمام
میں غریقِ بحرِ غم تھا یہ بھلا کسے خبر تھی
ترا موج بن کے آنا مرا ڈوب کر اُبھرنا

آج حضرت پیرو مرشد حکیم الامت شاہانہ حساب میں تھے۔ یعنی کوٹھی کے اندر تشریف فرما تھے۔ غالباً لیٹے ہوئے تھے۔ اور ہمارے جانے پر اُٹھ بیٹھے۔ بیٹھک بھی وہی تھی کہ جس طرح شیر بیٹھتا ہے۔ کہ اگر اُٹھنا پڑے تو دیر نہ لگے۔ فقیر نے حسب معمول حضرت غریب نواز کے قدم مبارک چومے۔ اللہ اکبر!

عاشقِ رسول مقبول ﷺ کے قدم مبارک چومنے میں بھی وہ مزا آتا ہے کہ خامۂ دو زبان اُس کے بیان سے قاصر ہے۔ اِس دفعہ عجیب سے عجیب گفت گو ہوئی۔ فقیر نے کہیں سے سُن رکھا تھا کہ آپ حج بیت اللہ شریف کے بہانے حضور علیہ الصلوٰۃ کی بارگاہِ عرش پناہ پر جا رہے ہیں۔ پس حسبِ دستورِ سابق قدم بوسی و مزاج پُرسی کے بعد فقیر نے عرض کیا کہ:

قبلہ، شنید میں آیا ہے کہ آپ کو اِمسال سرکارِ دو عالم صلعم کی بارگاہ سے بلاوا آیا ہے؟

پس میرا سرکارِ دو عالم صلعم کا اِسم گرامی لینا تھا کہ حضرت فرطِ محبت سے آب دیدہ ہو گئے۔ اور فرمانے لگے کہ:

ہاں، بے شک! لیکن جانا نہ جانا یکساں ہے۔ آنکھوں میں موتیا اُتر آیا ہے۔ یار کے دیدار کا لطف دیدۂ طلب گار کے بغیر کہاں؟

میں نے عرض کیا کہ: قبلہ، دیدۂ دل تو وا ہے۔

غرض طرفین کی طبع پر، ذوق رہا۔ کچھ دیر بعد ہوش سنبھل کر فرمایا کہ:

ہاں، عام جہازوں پر سفر کرنا تو میرے لیے محال ہے۔ البتہ اٹلی کی گورنمنٹ (مسولینی) سے خط و کتابت کر رہا ہوں۔ کل پرسوں تک جواب آ جائے گا۔ انھوں نے وعدہ تو کیا ہے۔ کہ مساوا (یہ اُن دنوں اٹلی کا Navy Station تھا) اور وہاں سے جدہ یا ینبوع تک پہنچا دیں گے۔

(پڑھنے والے کی اطلاع کی خاطر عرض ہے کہ ''جدہ'' مکہ معظّمہ کی بندرگاہ ہے اور ''ینبوع'' مدینہ منورہ کی بندرگاہ ہے۔)

اس پر فقیر نے عرض کیا کہ:

قبلہ، خدا کرے آپ تشریف لے جائیں۔ ہاں، ایک عرض ہے بلکہ ضروری عرض ہے۔ کہ آپ وہاں وہ رباعی جو، اب آپ کی نہیں رہی۔ کیوں کہ فقیر کو تملیک فرما چکے ہیں، ضرور پڑھیں گے۔ اِس واسطے التماس ہے کہ:

چوں با حبیبؐ نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

پس رُباعی مذکورہ کا ذکر آنا تھا۔اور فقیر کا اُسے دہرانا ہی تھا:

'تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰیؐ پنہاں بگیر

کہ طرفین کے چشموں سے چشمے بہہ نکلے۔میں نے عرض کیا:

قبلہ، اِس رباعی کے کہنے سے آپ کا ادب تو حضرت موسیٰؑ، حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ، حضرت عثمانؓ، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی بڑھ گیا ہے۔اور خصوصاً اِس الحاد اور بے ادبی (کے) زمانے میں!

فرمانے لگے: ہوں؟ ہوں!

ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ہاں، اِس رباعی کو بہت پڑھا کریں۔ممکن ہے خداوندِ کریم مجھے اس کے طفیل بخش دے۔آمین! ہم سب کو ہی بخشے کیوں کہ گناہ بے حد ہیں۔

از کثرتِ عصیانِ من ، حیراں کراماً کاتبیں
و زِ ابتریٔ حالِ من ، گریاں اہالیٔ زمیں
میگوید اسد اللہ حزیں ، ہمچوں امام الساجدیں
یا رحمت للعالمیں ، ادرک لِزین العابدیں
محبوس ایدی الظالمیں ، بالموکب والمزدھم

غرض اس محویت سے صحویت میں آنے پر حضرت پیرومرشد نے فقیر (سے) دریافت فرمایا کہ:

آپ نے کچھ تفاسیر بھی دیکھی ہیں؟

فقیر نے عرض کیا کہ:

قبلہ، میری بے بضاعتی کا کچھ نہ پوچھیے۔ البتہ فلاں فلاں تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے۔ فلاں فلاں کا سماع کیا۔ مگر درحقیقت میرے شیخ کریم کا خاص کرم ہے کہ بغیر مطالعہ بھی سمجھ ایسی عطا فرمائی ہے کہ بہت کچھ اپنے حسبِ منشا فہم میں آ ہی جاتا ہے۔

پس فرمانے لگے:

بھلا بتاؤ تو سہی کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[20]

سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ فقیر نے عرض کیا کہ:

قبلہ، آفتاب کے سامنے خفاش کی ہستی ہی کیا ہے؟ آپ ہی از راہِ کرم اس آیۂ شریفہ کی تفسیر فرمائیں تاکہ ہم لوگوں (چودھری فضل داد صاحب اور شاہ صاحب بی۔اے، بی۔ٹی) کو بھی کچھ حاصل ہو جائے۔

فرمانے لگے:

پچھلے دنوں میرے پاس ایک شخص آیا۔ اور اس نے اُس آیۂ کریمہ کی تفسیر مجھ سے پوچھی۔ اور کہا کہ میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ اور میں نے یہ آیۂ کریمہ لکھ کر اپنے پاس رکھ لی ہے۔ قبر میں ساتھ لے جاؤں گا۔ اور قیامت کے دن اللہ میاں سے کہوں گا۔ کہ تیرا فرمان یہ تھا۔ لیکن میں بھوکا مرتا رہا۔ اِس پر میں (علامہ اقبالؒ) نے کہا۔ کہ میاں تو آج بھی اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ سکتا ہے۔ قیامت تک معاملے کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اور علی بخش کو کہا۔ کہ اِس کی خدمت کر چھوڑو۔ پس اُس نے غالباً اُسے جو کچھ موجود تھا، پیش کیا۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ اُس دن شاید علامہؒ کے پاس خود بھی ایک دمڑی نہ تھی۔ اور نہ ہو گی کیوں کہ اُن کے فرمان سے یہی مترشح تھا۔ کہ علی بخش نے اُس کو آٹا وغیرہ دیا۔ یا اِس پر عمل پیرا ہوں کہ: دادہ چہ بہتر ست؟ طعام۔ واللہ اعلم بالصواب!

اِس پر آپ نے ایک عجیب فلسفیانہ انداز سے نکتہ فرمایا کہ:

فی الارض فرمایا ہے۔ فی السماء کیوں نہیں فرمایا؟ آخر کرۂ ہوائی میں بھی اُس کی مخلوق بستی ہے۔ جو بعض صورتوں میں ہمیں نظر آتی ہے۔ بعض میں اپنے نحیف الجثہ ہونے کے سبب نظر ہی نہیں آتی۔

فقیر کا جواب چوں کہ سابق ہی تھا کہ:

قبلہ، آفتاب کے سامنے خفاش کی ہستی ہی کیا ہے؟ حضور خود اِس پر روشنی ڈالیں۔

فرمانے لگے:

میں نے بہت سوچا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ایک ایسے ہیں کہ ان کے کُتے پلنگوں پر بیٹھے گوشت کھا رہے ہیں۔ اور دودھ پی رہے ہیں۔ ایک ایسے ہیں، فاقوں مرتے ہیں۔ بلکہ آج کے نوجوان تو ہر آئے دن اِسی انداز قدرت کو دیکھ کر ریل[پٹڑی] پر جا کر خودکشی کرتے ہیں۔ اُس کی ربوبیت یعنی پرورشِ مخلوق کا بھی پتہ نہیں ملتا، وغیرہ۔

آخر فرمایا:

آپ بھی سوچیں اور میں بھی سوچوں گا۔ کہ اُس کی رزاقی کا پتہ مل جائے۔ کہ کس طرح اس قدر مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے؟

فقیر نے عرض کیا کہ:

قبلہ، میرے لیے تو یہ ایک پہیلی ہے ''Riddle''۔ اِس کے حل کرنے کے لیے جناب کی طرف سے کوئی نہ کوئی Hints مل جائیں تو ممکن ہے کہ کبھی اِس کا حل آسان ہو جائے۔

فرمانے لگے:

اِس کا پتہ اگر ملا تو کسی سجادہ نشین سے مل جائے گا کہ کس طرح عُرسوں کے مواقع پر ہزاروں اشخاص کو لنگر پر کھانا کھلاتے ہیں اور ختم ہی نہیں ہونے پاتا؟

(فقیر نے اِس کے متعلق اجمیر شریف تک کے سجادہ نشین صاحب سے پوچھا مگر سب کا جواب یہی ملا کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ حضرت غریب نواز کا لنگر ہے۔ اُن کا ہی کرم ہوتا ہے، وغیرہ۔)

چوں کہ اِس دفعہ علی بخش سے وعدہ تھا کہ زیادہ دیر نہ بیٹھیں گے۔ اِس واسطے حضرت پیرو مُرشد سے رخصت چاہی۔ باتوں باتوں میں شاعروں کے تخیل کا ذکر آیا۔ فقیر نے عرض کیا:

قبلہ، ایک شخص ہے۔ وہ ہر صبح اسلامیہ پارک سے گزرتا ہے۔ اللہ اللہ کر رہا ہوتا ہے اور پھر ہر دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ بھیک لے کر آگے چل دیتا ہے۔ وہ جتنی دیر اپنے محلے میں رہتا ہے۔ اور اللہ اللہ کہتا رہتا ہے۔ مجھ پر یہ شعر پڑھ کر، ایک کیفیت طاری رہتی ہے۔

دلے آگاہ مے باید وگرنہ

گدا یک لحظہ بے نامِ خدا نیست

کہتا تو اللہ اللہ ہے۔ اور بھیک مانگتا ہے، مخلوق سے؟

غرض حضرت کے حافظہ کا کمال تھا کہ ایک ہی دفعہ کے سُنے ہوئے شعر کو پڑھتے تھے۔اور جھومتے تھے:

”دلے آگاہ مے باید وگرنہ
گدا یک لحظہ بے نامِ خدا نیست“

پس حسبِ دستور قدم بوس ہو کر آب دیدہ پچھلے پاؤں نہایت ادب کے ساتھ واپس لوٹا۔مگر وائے قسمت کہ یہ ہماری آخری جسمانی ملاقات تھی۔کیوں کہ سال ۱۹۳۸ء کے اپریل کو بہ تاریخ ۲۱۔حضرت غریب نواز نے برقع پوشی اختیار فرمالی۔اور ہمیں ہمیشہ کے واسطے ظاہری جُدائی کا داغ دے گئے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

واپس آکر جب حافظ چٹھہ خان صاحب کو ذکر کیا کہ ہم اُس مردِ مومن کی زیارت سے مشرف ہو آئے ہیں تو وہ کفِ افسوس ملتے رہ گیا۔

ہاں زمانے کے انقلاب نے ۱۹۳۸ء میں یہ نعمتِ غیر مترقبہ چھین لی۔یہ زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ بہ قول حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ: ”گٹھ سیتی تے ہتھ پاڑی“ کہ ۱۹۳۹ء میں یکم ستمبر باالفاظِ دیگر ستم گر کو حضرت محبوب القلوب وکیل صاحب خان عطا محمد خان صاحبؒ داغِ مفارقت دے کر زخموں پر نمک پاشی کر گئے:

چپکے سے گزر کر بھی کچھ اور نمک چھڑکو
ہاں زخمِ جگر یوں ہی رِس رِس کے مزا دیں گے

اور اپنی کیفیت جو ہوئی سو ہوئی۔البتہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔غدارِ قوم فلاں اِبن افلاں اندر باہر سیاہ، نے فقیر کے خلاف D.O لکھی۔یار لوگوں نے اُٹھا کر ڈیرہ غازی خان سے جہلم کی ہوا کھلائی۔اللہ اکبر!

ع کجا می نماید کجا می زند

لیکن میرے شیخ کریم کا فضل و کرم شامل حال رہا اور مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف از قسم رہائش و خوراک نہ ہوئی۔بلکہ راول پنڈی ڈویژن میں جتنا عرصہ بھی رہا، دوسروں کا مہمان رہا۔صرف

میرے آنے جانے پر خرچ ہوتا تھا یا کبھی کبھو حضرت قبلہ عالم صاحبؒ غریب نواز کے عرس رچائے۔ وہ بھی اُنھوں نے اپنے کرم سے سب کچھ بھیج دیا۔ واللہ!

حضرت غریب نواز کے وصال فرمانے یا اُس سے دوسرے دن مَیں بستی رسول پور میں مولوی عبدالرشید صاحب احمدانی[۲۱] کو حج بیت اللہ شریف سے واپسی پر مبارک باد عرض کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ وہاں پر ہی حضرت غریب نواز پیر و مُرشد علامہ اقبالؒ کے وصال کی خبر سُنی۔ سخت مغموم ہوا، مغموم ہوا!! باتوں باتوں میں کسی صاحب (اجہلِ مطلق) نے کہہ دیا کہ: ''وہ تو ڈاڑھی مُنڈے تھے؟''

میرے آنسو نکل آئے۔ اور عرض کیا کہ:

حضرت آپ کو ابھی دو مہینے بھی حضرت تاج دارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عرش پناہ سے آئے نہیں گزرے لیکن جتنی دفعہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِسم گرامی باتوں باتوں میں آیا ہے۔ آپ یا یہ بندہ ٹس سے مس تک نہیں ہوئے۔ لیکن بہ خُدا، جب کبھی اُس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقبول کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابی وامی وعیالی واطفالی فداہٗ، کا اِسم گرامی منہ سے نکلتا ہی تھا کہ اُس عشق کے بھونے ہوئے کے چشموں سے اشکوں کے چشمے رواں ہو جاتے تھے۔ اور جگر کی سوزش سے لب پر آہ آتی تھی۔ مگر نہ صرف اُن کو رُلاتی تھی بلکہ حاشیہ نشینوں کا بھی کام کر جاتی تھی۔ واللہ، اگر یہ فقیر حضرت پیر و مرشد قبلہ فیض شاہ جمالی نور لم یزالی کا مرید نہ ہوتا تو اُس (خاکم بدہن) ڈاڑھی مُنڈے کا مرید ہوتا۔ ہائے افسوس!

ہاتھ میں جام لیا منہ سے کہا بسم اللہ
کون کہتا ہے کہ رِندوں کو خدا یاد نہیں'

المختصر ایں کہ، جہلم جانے میں بھی کوئی خاص راز تھا کہ ہر ہفتہ اڑھائی [بجے] آنے، گز [رنے] والی گاڑی پر سوار ہو کر لاہور پہنچتا تھا۔ اور گھنٹوں حضرت پیر و مُرشد حکیم الامت کے مزار پرانوار پر حاضر رہ کر مختلف اسرار سے سرشار رہتا تھا۔ بلکہ جن دنوں حضرت غریب نواز کے روضہ شریف کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ تو مزار شریف کے اردگرد کم از کم ۲۰-۲۵ فٹ نیچے اور تقریباً ۱۰ بارہ فٹ چوڑے احاطے میں Concrete وغیرہ کوٹی جا رہی تھی۔ فقیر نیچے اُتر جاتا تھا۔ اور مزے سے طواف کیا کرتا تھا۔ سبحان اللہ!

ہر موقع پر محظوظ رہا۔ جب تربت شریف کا تعویز محض ایک مٹی کے ڈھیر کی شکل میں تھا تو اُس دن بھی خاص لطف اُٹھایا تھا۔ کیوں کہ وہ دن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی برسی کا تھا۔ اور وہاں سکھوں اور دوسرے لوگوں کا اِس قدر اجتماع تھا کہ پاؤں دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ جب یہ بندہ حضرت غریب نواز کے مزار شریف پر پہنچا تو دیکھا، چند بچے چھوٹی سی فٹ بال سے کھیل رہے ہیں۔ کِک 'Kick' لگاتے ہیں تو بال حضرتؒ کی تربت سے ٹھکرا کر واپس آ جاتی ہے۔ پس یہ حال دیکھ کر مجھے ایک شعر یاد آیا جو بمبئی 'Bombay' کی حجاج منزل میں ایک تُرک سے سُنا تھا:

جنوں را کار ہا باقی ست ، با مشتِ غبارِ من
کہ بازی گاہِ طفلاں میشود خاکِ مزارِ من

پس اُس دن درود و فاتحہ کی بجائے یہی شعر ہی تھا جس کو پڑھ پڑھ کر فقیر روتا تھا۔ اور ایک دوسرے شخص (مسمی محمد شفیع رپورٹر سول ملٹری گزٹ) کو بھی رُلایا تھا۔ جس نے فرمایا تھا کہ: آپ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سے ضرور ملیں۔

میرا جواب تھا: جس شخص کو عطائی سے ملنا ہو، وہ ہر اسنیچر اور اتوار کو یہاں حضرت علامہ اقبالؒ کے مزار شریف [پر آکر] ملے۔

آخر ایک دن یعنی ۱۰/ مارچ ۱۹۴۰ء کو سرِ راہ جب بندہ، علی بخش کی معیت میں جاوید اقبال کو دُعا کر کے واپس آ رہا تھا۔ تو چودھری محمدؒ حسین صاحب راستے میں ملے۔ اور اپنے ساتھ اپنے دولت کدے پر لے گئے۔ جہاں انھوں نے نہ صرف ظاہری خاطر مدارات کیں۔ بلکہ حضرت پیرو مُرشد کا قلمی نسخہ ارمغانِ حجاز اُن کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا دکھایا۔ اور خصوصاً اُس رباعی کو قلم زد کر کے، جو مجھے عطا فرمائی تھی، دوسری رُباعی لکھی ہوئی دکھائی۔ اللہ اکبر!

وہ رباعی یہ ہے۔ تا کہ مقابلہ کرتے وقت اصل اور عکس کا لطف آ جائے:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہؐ ما را
حسابِ من زِ چشمِ او نہاں گیر

اِس میں کلام نہیں کہ رباعی بخشیدہ کے مترادف ہے لیکن وہ کہاں اور یہ کہاں! میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ یہ نعمتِ [غیر] مترقبہ مل گئی جس کے بارے میں مولوی محمد ابراہیم صاحب نے یہاں تک لکھا کہ:

ظالم عطائی! کان کنی تو میں نے کی۔ اور گوہر تُو اُڑا لے گیا۔ بہ خُدا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ حضرت غریب نواز اتنی فیاضی کریں گے۔ تو میں اپنی تمام جائے داد دے کر یہ رباعی حاصل کرتا اور مرتے وقت اپنی پیشانی پر لکھوا جاتا۔

فقیر بھی اِن شاء اللہ العزیز یہی وصیت کرے گا۔ کہ میرے مرنے پر اگر کوئی وارث موجود ہو۔ تو وہ رُباعی مذکور میرے ماتھے پر لکھ دے۔ اور میرے چہرے کو سیاہ کر دے۔

ادا کن اوّل از طاعت نماز عذر خواہی را

کہ پیش از سجدہ مے مالد نگیں برخود سیاہی را

الحمدللہ! کہ آج یہ فرض ادا ہو گیا۔ کہ ہر سہ ملاقات کو قلم بند کر ڈالا۔ ورنہ اکثر واقعات محو ہو جاتے۔ والسلام والدُعا۔

نوٹ: قبل ازیں حضرت پیر و مُرشد کے ادب کے سلسلے میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کے ادب کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پڑھنے والوں کی خاطر اور خصوصاً اپنے بچوں: عطا، فدا اور گدا کی واقفیت کے لیے یہ تحریر کیے دیتا ہوں کہ:

(۱) حضرت موسیٰؑ کا ادب یہ تھا۔ کہ انھوں نے حضرت شعیبؑ کی لڑکیوں کو کہا تھا کہ:

آپ میرے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور مجھے یمین و یسار کہہ کر راستہ بتاتی جائیں۔

کیوں کہ اُن کے آگے چلنے سے ہوا کے سبب کپڑا اُن کی پنڈلیوں سے اُڑ کر اُن کو بے ستر کر دیتا تھا۔

(۲) حضرت عثمان غنیؓ کا تو لقب ہی ''صاحب الحیا'' ہے۔

(۳) حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب یہ تھا۔ کہ باوجود حضورِ انور ﷺ کے ارشاد کے، آپ مصلّے سے نیچے آ گئے تھے اور حضرت غریب نواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابی و امی فداہ، کی اقتدا کی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہاں ''ادب''، ''امر'' سے بڑھ گیا ہے۔

(۴) حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کا ادب اور حیا یہ تھے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے وصال کے بعد تک تو آپ حرمِ نبوی ﷺ میں بلکہ روضۂ اقدس کے اندر بے حجابانہ تشریف لے جاتی تھیں۔ لیکن جب حضرت اسد الاسد عمرؓ وہاں حضرات کے پہلو مبارک میں تشریف لے گئے۔ تو آپ برقعہ اوڑھ کر تشریف لے جاتی رہیں۔ بلکہ لے جاتی ہیں۔ کیوں کہ میں نے سُنا ہے کہ جن پر اپنے شیخ کریم کی خاص نظر ہوتی ہے۔ اُس پر محمدی ﷺ انوار کی برسات ہوتی ہے۔ بلکہ آج کل کے کھوٹے جھوٹے زمانے میں بھی حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو برقع میں ہی دیکھا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ۔

کیسے خوش نصیب ہیں، وہ عاشقانِ رسول مقبول ﷺ جن پر اِس قدر شفقت پدری و مادری ہو کہ نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوں بلکہ حضرت اُمُّ المومنین کی زیارت یا بالفاظِ دیگر... اگر گویم زباں سوزد، میسر آئے۔ الٰہی! ہمیں بھی (میرے احباب اور بچوں کو) ایسی سعادت روزی [عطا] فرما۔ آمین، ثم آمین، قثم آمین!

فقیر عطائیؔ عفی عنہ۔''

☆☆☆

حواشی

۱- علامہ محمد رمضان عطائیؒ کی خودنوشت (اقبالیاتی احوال نامہ) کے آغاز میں پیامِ مشرق کے درج ذیل اشعار مرقوم ہیں لیکن شعر نمبر ۲ پیامِ مشرق کے صفحہ ۱۶۱ پر نا موجود ہے:

''صد صبحِ بلا خیزے ، صد آہِ شرر بارے
صد نالۂ شبگیرے ، یک شعرِ دلآویزے
آں صلحِ فراموشے ، آں عُربدہ انگیزے
آں پردہ نشیں شوخے ، آں شوخِ کم آمیزے
در عشق و ہوسناکی ، دانی کہ تفاوت چیست؟

ایں تیشۂ فرہادے ، آں حیلۂ پرویزے
از خاکِ سمرقندے ، تُرسم کہ دِگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ، ہنگامۂ چنگیزے"

محمد رمضان عطائی کے ہاں ترتیبِ الفاظِ اشعار تبدیل ہے جب کہ پیامِ مشرق میں اشعار، اس انداز میں مرقوم ہیں:

صد نالۂ شبگیرے ، صد صبحِ بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے یک شعرِ دلآویزے
در عشق و ہوسناکی ، دانی کہ تفاوت چیست؟
آں تیشۂ فرہادے ، ایں حیلۂ پرویزے

۲- حضرت فیض محمد شاہ جمالیؒ (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء/ ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) کا مزارِ مبارک ڈیرہ غازی خان شہر سے جنوب کو بستی مانہ احمدانی سے مشرقی جانب بستی سندیلہ شریف میں مرجع خلائق ہے۔ جن کی باقاعدہ گدی اور درس وتدریس کا سلسلہ ہے۔

۳- عطا محمد خان جسکانی بلوچ ایڈووکیٹ، ہر دل عزیز شخصیت، علم وادب دوست اور سیاست کار تھے۔ بلدیہ ڈیرہ غازی خان کے صدر رہے۔ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو انتقال ہوا۔

۴- نظم "بلالؓ "، مشمولہ: بانگ درا، از اقبال، ص: ۸۰۔

۵- مولوی پیر بخش رِند بلوچ (۱۹۰۲ء-۱۶/اکتوبر ۱۹۸۵ء) بن زور اجہ خان؛ مہرے والا، کے باسی تھے۔ مدرس اور ایم اے اُردو تھے۔ کلامِ اقبالؒ کے گرویدہ تھے۔ ۱۹۵۷ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۱ ڈیرہ غازی خان سے ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ ان کے کئی شاگردوں میں: ڈاکٹر انور سدید، شیر محمد پاکستانی اور فیض محمد خان کھوسہ ایڈووکیٹ، نام ور ہوئے۔

۶- میر محمد خان بُزدار (پ ۱۸۸۶ء)، ڈیرہ غازی خان شہر کی جانی پہچانی شخصیت تھے۔ وہ تحصیل دار تھے اور کوہ سلیمان میں آباد بُزدار بلوچ قبیلے کی شاخ "جلالانی" سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی مسلم لیگ سے وابستگی تھی۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ان کے فرزند عطا محمد خان بُزدار نے مسلم لیگ کے امیدوار کی حیثیت سے، اپنے الیکشن کاغذات جمع کرائے۔ جب کہ ان کے مخالف یونینسٹ امیدوار نے الیکشن زرِضمانت، کسی غلط ہیڈ آف اکاؤنٹ میں جمع کرا دی تو خوش قسمتی سے عطا محمد بُزدار متحدہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے پہلے بلا مقابلہ کامیاب، ایم ایل اے (ممبر لیجسلیٹو اسمبلی) قرار پائے۔ اس جیت سے پورے ہندوستان میں مسلم لیگیوں کا حوصلہ بلند ہوا جب کہ کانگریسیوں اور یونینسٹوں کے حوصلے پست ہوئے۔ تاہم، لاہور سے یونینسٹ وزیر اعظم کی طرف سے: ابراہیم برق، سچر اور لہری سنگھ پر مشتمل وزارتی مشن، ڈیرہ غازی خان پہنچا کہ کسی طرح عطا محمد بُزدار کو یونینسٹ پارٹی میں شامل

کرلیں اور دکھائیں کہ مسلم لیگ والے مسلم لیگ چھوڑ کر یونینسٹ پارٹی میں شامل ہورہے ہیں۔ چنانچہ وہ میر محمد خان بُزدار کے گھر پہنچے جن کا گھر مرکزی جامع مسجد سبزی منڈی سے چند سوگز شمالی جانب بلاک ۴ میں واقع تھا جہاں اب اُن کی چھوٹی سی مسجد قائم ہے اور اس کے احاطے میں وہ آسودۂ خاک ہیں جن کی قبر کے کتبے پر تاریخِ وفات ۱۰؍شوال ۱۳۸۵ھ /۲؍فروری ۱۹۶۶ء، جمعرات، نوشتہ ہے۔ یونینسٹ وزرا نے میر محمد خان کو ہر طرح کی رشوت، زمینات اور عہدے وغیرہ کی پیش کش کی مگر انھوں نے سب پیش کش قبول کرنے سے معذرت کی تاہم گھر آئے مہمانوں کا دل رکھنے کے لیے انھیں، عطا محمد خان بُزدار سے ملنے کو کہا۔ جب یہ وزرا، عطا محمد خان بُزدار سے ملے۔ تو انھیں پانچ مربع زمین اور وزارت کی پیش کش کی۔ مگر عطا محمد بُزدار کو اپنے والد سے بھی زیادہ، مسلم لیگ کی حمایت میں مستحکم پایا۔ اس طرح وزرا، عطا محمد خان کو نتائج بھگتنے کی دھمکی دے کر واپس چلے گئے۔ نتیجتاً، عطا محمد بُزدار کے جیتے ہوئے نتیجے کو عذرداری درخواست سے کالعدم قرار دے کر، اُن کے حلقے میں الیکشن کرائے گئے۔ تب بھی عطا محمد بُزدار، الیکشن جیت کر ایم ایل اے منتخب ہوگئے۔ چنانچہ اس جیت کے بعد جب عطا محمد بُزدار نے جا کر، قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملاقات کی تو قائداعظم نے ان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بھرے مجمع میں اُن سے فرمایا:

"Well done my boy, I am Proud of You!"

عطا محمد بُزدار کا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۴ء کو انتقال ہوا اور وہ شہر یارِ دیرا غازی خان نواب غازی خان میرانی بلوچ کے مقبرہ سے مغربی جانب مسجد کے ساتھ رفیق خاک ہیں۔

۷- سندھ میں ''حُروں'' پر انگریز سرکار نے انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ مقامی میر جعفر اور میر صادق انگریزوں کے کاسہ لیس ہوتے رہے۔ آزادی پسند حُر لشکر میں سندھ کے بلوچوں کی ایک خاصی تعداد شامل تھی۔ قبل ازیں ۱۸۳۹ء میں سندھ کی مسلمان حکومت بھی، انگریز جنرل چارلس نیپئر نے ''ٹھال بُر'' بلوچ میروں سے چھینی تھی۔ جہاں میانی کی جنگ میں چھ ہزار کے لگ بھگ بلوچ، دست بہ دست رزم آرا ہو کر شہید ہوئے تھے۔ نیز قبل ازیں سندھ سے ملحق مغربی ولایت بلوچستان کی حکومت بھی، انگریزوں نے ۱۸۳۹ء میں بلوچوں سے چھینی تھی۔ جہاں انگریز جنرل وِلشائر اور اس کی حملہ آور فوجوں کے خلاف خانِ معظم میر محراب خان بلوچ اپنے چار سو سے زائد بلوچ جاں نثاروں کے ہم راہ دست بہ دست نبرد آزما ہو کر رُتبۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔

۸- ''معرکہ'' بلوچی لفظ، جس کے معنی گروہ، لشکر اور برادری کے ہیں۔

۹- رُباعی متذکرہ: ''بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر''، مشمولہ ارمغانِ حجاز از اقبال، ص:۱۸، کو عطائیؒ نے اقبالؒ سے تیسری ملاقات کی روداد کے آخر میں شاملِ متن کیا ہے۔

۱۰- ایم او ایل (Master of Oriental Languages)۔

۱۱- مُراد، ایسے مہمان نواز کہ اس سے بہ تر مہمان نوازی ہو ہی نہیں سکتی۔

۱۲- پروفیسر ای جی براؤن (Edward Granville Browne) ۷فروری ۱۸۶۲ء کو گلوسسٹر شائر انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ایک ایران شناس عالم کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ انھوں نے فارسی ادب، تاریخ وثقافت کا وسیع مطالعہ کیا تھا اور ایران کے حوالے سے وقیع تصنیفات رقم کیں، جن میں:

A Traveller's narrative written to allustrate the Episode of Baab, 1891,

A Year amongst the Persians, 1893,

A literary History of Persia, 4 Vols. 1902-1924,

The Persian Revolution of 1905-1909, 1910,

The Press and Poetry of Modern Persia, 1914,

The Persian Literature, 1920,

The Persian Constitutional Movement, 1921.

قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیفات نے، مغرب کو ایرانی ادب وثقافت کو سمجھنے میں کافی سہولت دی۔ ان کی تصنیف: *A literary History of Persia* ''تاریخِ ایرانِ باستان'' کے نام سے ترجمہ ہوئی جو ۱۹۳۷ء میں پنجاب یونی ورسٹی، ایم اے فارسی کے نصاب میں شامل تھی۔ براؤن کا انتقال ۵ جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوا جنھیں ہولی ویل قبرستان، آکسفورڈ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

۱۳- سائیکس (Sir Percy Molesworth Sykes) مشرق شناس برطانوی سیاست کار اور قلم کار تھے جو ۱۵- مارچ ۱۸۶۷ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے وسط ایشیا کے کئی ممالک بالخصوص ایران وافغانستان کے اسفار کیے اور ان ممالک کے بارے میں اپنی تصانیف میں گراں قدر معلومات فراہم کیں۔ مشاہدات ومہمات پر مبنی ان کی تصانیف میں:

Through Central Asia (Travels in Persia, Afghanistan and other Central Asian Regions), 1900.

Ten Thousand Miles in Persia, Journey in Iran, 1902.

قابل ذکر ہیں۔ ان کا ۱۰ اجون ۱۹۴۵ء کو انتقال ہوا جنھیں سینٹ میری قبرستان، آکسفورڈ میں سپردخاک کیا گیا۔

۱۴- یہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا شعر ہے جو اُن 'مثنویٔ مولویٔ معنوی، دفتر اول؛ اشاعت: الفیصل ناشران وتاجران کُتب، اُردو بازار، لاہور، ۹۔ ستمبر ۱۹۷۴ء، ص: ۲۳۱، پر مرقوم ہے۔ ''استنِ حنّانہ'' کھجور کا وہ پیڑ تھا جس کے سہارے مسجدِ نبوی ﷺ میں جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پہلے پہل خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ بعد تعمیرِ منبرِ نبوی ﷺ، جب آپ ﷺ منبر پر تشریف آور ہو کر خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو حنّانہ سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی۔ آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور اسے بچوں کی طرح تھپکیاں دے کر چُپ کرایا۔ فرمایا: ''کیوں روتے ہو؟

''حنّانہ نے جواب دیا کہ: ''میں آپ ﷺ کی پُشتِ مبارک کی لمس سے محروم ہوگیا ہوں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: '' آپ چاہتے ہیں کہ جنت کے باغوں میں سے ہو جائیں یا اِسی دنیا میں پھل دار اور ثمر دار درخت بن جائیں؟'' حنّانہ نے کہا کہ: '' مجھے صرف آپ ﷺ کا ساتھ چاہیے۔'' پس آپ ﷺ نے اُسے وہیں اپنے پاس دفن کرا دیا۔ رومیؒ نے اِس مضمون کو اپنی مثنوی، دفتر اول، ص: ۲۳۱ پر، اس انداز میں بھی باندھا ہے کہ:

اُستنِ حنّانہ در ہجرِ رسولؐ

نالہ می زد ہم چو اربابِ عقول

۱۵- روایت میں تسامح ہے۔ یہ شخص جرمنی کے نہ تھے، بلکہ فرانس کے مستشرق لوئی ماسینیوں (Louis Massignon، ۱۸۸۳ء۔۳۱/اکتوبر ۱۹۶۲ء) تھے جنھوں نے اسلام، تصوف، مشرق وسطیٰ اور منصور حلاجؒ پر وقیع تحقیقی کام کیا تھا۔ ان کی کتب میں:

1. *"La passion de Husayn ibn Mansur Hallaj: Martyr Mystic de l'Islam* (The Passion of Al-Hallaj, Mystic and Martyr of Islam), 1922",
2. *"Recueil de textes Indetis concernant l' histoire de la mystique en pays de Islam* (Collection of Indetis texts concerning the history of Mysticism in the countries of Islam), 1929",
3. *"Kitab al Tawasin"*.
4. "*Simorgh* (Journal)".

قابلِ ذکر ہیں۔ وہ پیرس کے مونٹ پارنا سے (Montparnasse) قبرستان میں مدفون ہیں۔

۱۶- تاج محمد جسکانی بلوچ، دفتر ڈپٹی کمشنر دیرا غازی خان میں ملازم تھے۔ جن کا ۱۹۵۲ء میں انتقال ہوا۔

۱۷- دیرا غازی خان شہر میں آخوند برادری، عرصے سے آباد ہے۔ ان میں آخوند عبدالکریم (پ ۱۸۹۵ء-۳/اگست ۱۹۶۱ء) تحریک پاکستان کے اہم رہ نما تھے۔ انھوں نے دیگر مسلم لیگیوں کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر استقامت کے ساتھ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ ان کے فرزند آخوند رضا کریم (پ۲/اکتوبر ۱۹۵۰ء) حیات ہیں۔ سابق ممبر قومی اسمبلی اور وزیر محترمہ زرتاج گل وزیر، آخوند عبدالکریم کے پوتے، آخوند ہمایوں خان کی اہلیہ ہیں۔ آخوند ساجد مجید ایڈووکیٹ، آخوند خان وادہ کی جانی پہچانی اور معزز شخصیت ہیں۔

۱۸- حافظ چُھٹہ خان احمدانی بلوچ (۱۸۸۰ء-۲۴/نومبر ۱۹۷۶ء) پاندھی خان احمدانی کے فرزند تھے۔ مانہ احمدانی کے زمین دار اور سرکردہ شخصیت تھے۔ کچھ عرصہ سیشن کورٹ، دیرا غازی خان میں عہدے دار بھی متعین رہے۔

۱۹- ''ٹھک''، بلوچی لفظ، جس کے معنی ''ایک دم حاضر''۔ یعنی اس جگہ پر فوراً پہنچ گئے۔

۲۰- ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔ (قرآنِ مجید: سورۃ ھود:۱۱، آیت:۶۔)

۲۱- مولوی عبدالرشید احمدانی بلوچ (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۳ء) بن احمد خان جاڑا، ساکن رسول پور احمدانی؛ ضلعی انسپکٹر مدارس، دیرا غازی خان کے دفتر میں صدر محرر (Head Clerk) تھے۔ شاعر تھے۔ لیکن اُن کا کلام دست بُردِ زمانہ کی نذر ہوگیا۔ وہ مشہور شاعر و ادیب مولوی پیر بخش پیرؔ احمدانی (۱۸۸۰ء۔۱۹۶۳ء) کے بڑے بھائی تھے۔ پیر بخش پیر نے، عطائی کی شان میں لکھے ہوئے ایک قصیدہ میں، ان کے متعدد حجوں کا ذکر کیا۔ پیر بخش پیر منفرد ادیب، نکتہ سنج شاعر، مترجم، قصیدہ نگار اور متبحر عالم تھے۔ ان کی درجن سے زائد تصنیفات: تحفۂ پیر (شاعری)، تحفۂ رئیس غازی / کریما (شاعری)، بیاض / دیوان به لحاظ حروفِ ابجد (شاعری)، رؤسائے لغاریان (شاعری)، حکایاتِ مختلفه: گلزار دبستان بزبانِ پاکستان (شاعری)، سردار میر بلخ شیر اوران کے رفیق (شاعری)، مثنوی مولانا رومؒ، جلد اول (منظوم اُردو ترجمہ)، گلستان (منظوم اُردو ترجمہ)، بوستان (منظوم اُردو ترجمہ)، سلسله چشتیه نظامیه (شاعری)، درسِ حمید: غیر شخصی آپ بیتیاں / ڈائری (نثر) قلمی صورت میں موجود ہیں۔ عطائی کے بارے میں انھوں نے جو کمال کا قصیدہ تسوید کیا تھا، اُس کا متن درج ذیل ہے:

عطائی صاحب

عطائی، نہ ہو گا ، ہمارا تمھارا
اگر دے دیں اُس کو ، بلخ و بُخارا
ملی اُن کو ہے ، فقر و فخری کی شاہی
نہ تھا اُس کے لائق ، سکندر نہ دارا
ہوا پر گزرتی ہے ، اُن کی سواری
عرب اور عجم کا ، ہیں کرتے نظارا
عنایت سلیمانؑ کی ، ہے اُن پہ ہر دم
کہ حج کر رہے ہیں، دوبارہ سہ بارہ
مبارک ہو اُن کو ، دوبارہ سہ بارہ
کریں حج ہمیشہ ہی، وارہ بہ وارا
کریں رشک اُن کی نہ کیوں اہلِ عالم
کہ ہے اُن کی قسمت کا ، تاباں ستارا

ہمارے ہیں مخدوم ، ہم اُن کے خادم
پکڑتے ہیں ہم اُن کا ، ہر دم سہارا
بچاتے ہیں غرقاب ، ہونے سے ہم کو
خدا کا دیا ، ناخدا ہے ہمارا
سدا خیر چاہتے ہیں،ہم اُن کی رب سے
طفیل اُن کے کرتے ہیں، ہم بھی گزارا
سدا دِین و دنیا میں، اُن کا بھلا ہو
نہ آئے کبھی اُن پہ ، کچھ بار بھارا
جبھی رب نے چاہا تو خود پیرؔ آ کر
کرے گا ہی قصہ ، بیان اپنا سارا
مگر کوئی تاریخ ، ہووے مقرر
نہ محرومِ دیدار ، ہو یہ بچارا
بہت بار پہلے بھی خالی پھر رہے
توجہ کریں ، اب تو اِس پہ خُدا را!''☆

(مشمولہ:مثنوی مولانا رومؒ،جلداول(پہلانسخہ)از پیر بخش پیرؔ،س ن:ص:۵۶)

پیر بخش پیرؔ،علامہ اقبالؒ کے ہم عصر تھے۔اورانھوں نے اقبالؒ کی شان میں غالباً۱۹۲۷ءتا۱۹۳۵ء کے عرصے میں یومِ اقبال کی مناسبت سے،ایک شان دار قصیدہ رقم کیا۔اقبالؒ کے بارے میں ان کا نوشتہ قصیدہ،درج ذیل ہے:

عالی جناب معلٰی الالقاب سر محمد اقبال صاحب
(یوم اقبال)

یومِ اقبال آج ہے ، اقبالؒ کے اقبال کا
پر نہیں ہے علم ہم کو ، آپ کے اِک بال کا
قدرِ زر زرگر بداند ، قدرِ جوہر جوہری
طفلِ مکتب کیا لکھے ، اک مردِ صاحب حال کا
نام جب سنتے ہیں اُن کا،ہوتے ہیں سب باغ باغ
اِنڈیا کو فخر بے شک،ہے بجا اِس لعل کا
گر نہ ہوتا آج ان کا ، باغِ عالم میں وجود
غلبہ ہوتا نوجوانوں پر ، کسی دجال کا

قوم کے بہبود میں ، مصروف ہے شام و سحر
خوب واقف ہے فلک کا اور اُس کی چال کا
خوابِ غفلت سے جگایا ہے ہمیشہ قوم کو
مشرق و مغرب میں سکہ، اُن کے ہے اقوال کا
روحِ تازہ پھونک دی ہے ،قوم کے افراد میں
جوش پیدا کر دیا ہے ، ان میں نیک افعال کا
ثبت کی ہر ایک دِل میں ، ہمت و مردانگی
اُن کے تلمیذوں سے کم ہے ، آج بیٹا ذال کا
پیشوائے قوم ہے ، اور قافلے کا رہ نما
ہے جواں پر تجربے میں ، مرد ہے صدسال کا
شاعرانِ سلف کا ہے ، فی الحقیقت جانشیں
خوب نقشہ کھینچا ہے ، حال کا اور قال کا
سر زمینِ شاعری میں ، آج وہ سُلطان ہے
کر گیا ہے سر تمامی ، ملک استدلال کا
پیؔر گر دُنیا میں ہے ، تلمیذِ رحمان آج کل
ہے یہی تلمیذ بے شک، ایزدِ متعال کا!''☆☆

(مشمولہ: درسِ حمید از پیر بخش پیؔر احمدانی بلوچ،۵۔نومبر۱۹۳۵ء،ص:۳۱۴)

☆، ☆☆ منظومات بہ شکریہ، راشدالحق احمدانی صاحب۔

☆☆☆

ضمیمہ جات

ضمیمہ۔ا:

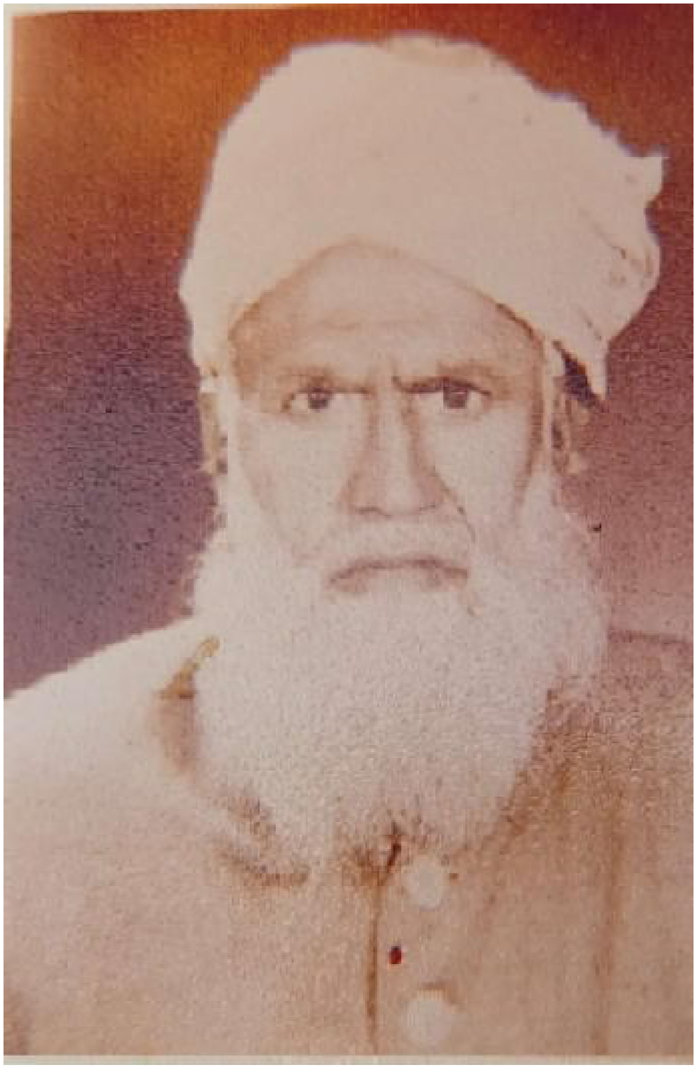

(الحاج علامہ محمد رمضان خان عطائی کا عکس)

ضمیمہ۔۲:

(نواب غازی خان میرانی بلوچ، والی ریاستِ دیرا غازی خان اور حضرت مُلا قائد شاہؒ کے مزارات سے مشرقی جانب واقع الحاج علامہ محمد رمضان خان عطائی کی تُربت کے کتبہ کا عکس)

ضمیمہ۔۳:

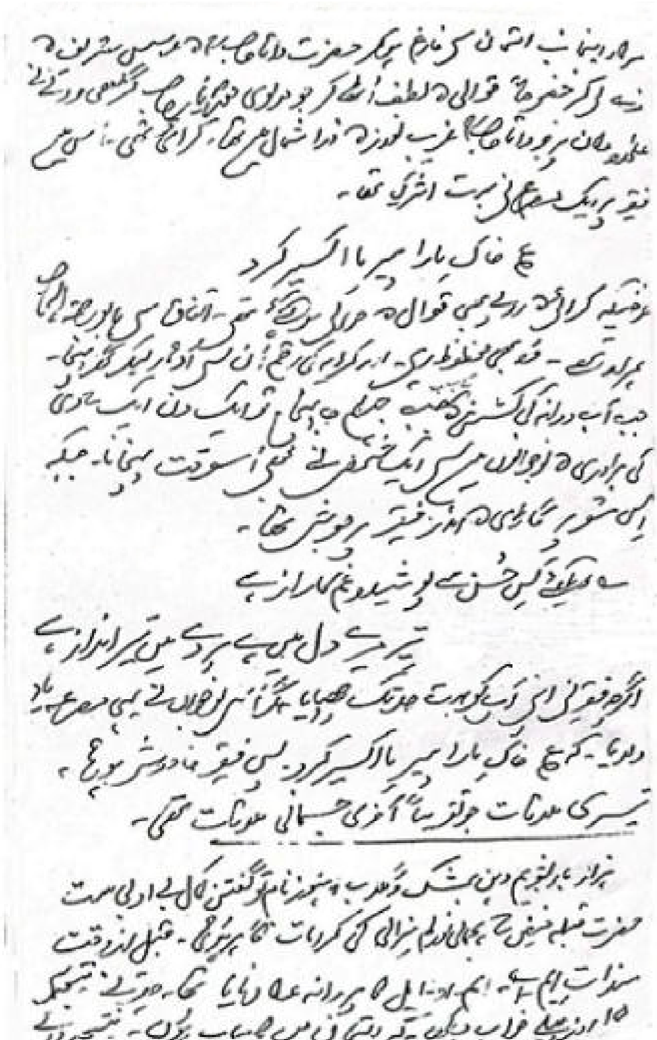

(الحاج علامہ محمد رمضان خان عطائی کی شکستہ تحریر کا عکس)

ضمیمہ۔۴:

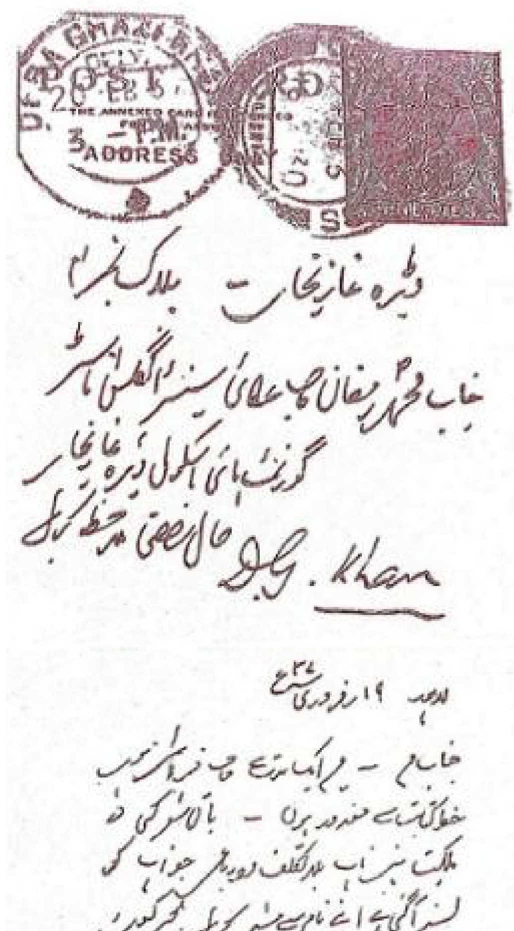

ڈیرہ غازیخان   بلاک نمبر ۱

جناب محمد رمضان صاحب عطائی سینیئر انگلش ماسٹر

گورنمنٹ ہائی اسکول ڈیرہ غازیخان

حال [illegible]

G. Khan

لاہور ۱۹ فروری ۳۷ء

جناب من — [illegible]

خطوط کتاب سے مستفید ہوں — باقی اشعار کی نسبت

[illegible] آپ بلا تکلف [illegible] جواب کو

[illegible] اپنے نام سے شائع کر لیں۔ مجھ کو

اعتراض نہیں ہے — [illegible]

محمد اقبال لاہور

(مکتوبِ گرامی ڈاکٹر علامہ محمدؒ اقبالؒ بہ نام الحاج علامہ محمد رمضان خان عطائیؒ، کا عکس)

اِشاریہ

اسماءالرجال:

آزری (ڈپٹی کمشنر):۱۰
ابراہیم برق،وزیر:۴۹
ابن الفرید:۳۳
ابوالحیات:۱۱
ابوالمعالیؒ،حضرت:۲۷
ابوبکرصدیقؓ،حضرت:۴۰، ۴۶، ۴۷
احمدخان جاڑا:۵۲
اسداللہ حزیں:۴۰
اسداللہ خان بیرسٹر،چودھری:۲۷
اقبال،ڈاکٹر (اسسٹنٹ سرجن):۱۱
اقبال،عطامحمد:۱۱، ۴۷
اقبالؒ،علامہ ڈاکٹرمحمدؒ:۳، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۴، ۴۵، ۴۸، ۴۹، ۵۳
اقبال،فدامحمد:۱۱، ۴۶
اقبال،گدامحمد:۱۱، ۱۲، ۱۴، ۴۶
اکبرنوازعطائی:۱۲، ۱۴
اللہ دادخان:۷، ۱۳
اللہ داد،مہتر:۲۱
اللہ رکھا،شیخ (انسپکٹرمدارس):۳۶
انورسدید،ڈاکٹر:۴۸
ایم۔اے صوفی (ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج):۱۸
ایمرسن،سر:۳۶
براؤن،ای جی پروفیسر:۳۰، ۵۰
بشیرحسین ضیائی،چودھری:۱۶، ۱۷
بلالؓ،حضرت:۴۸
بلھے شاہؒ:۲۲
بہارخان:۲۱
پاندھی خان،احمدانی:۵۱
پرمانند بھوٹانی،لالہ:۱۸
پرویز،خسروبادشاہ:۴۸
پگھارو،پیر:۲۱
پنجاب یونیورسٹی لاہور:۷، ۵۰
پیربخش پیر احمدانی،مولوی:۵۲، ۵۴
پیربخشؒ رِند،مولوی:۲۰، ۴۸
تاج محمدخان جسکانی بلوچ:۳۵، ۴۸
جان محمدخان لُنڈوی،حاجی:۲۰
جاویداقبال،ڈاکٹر:۹، ۲۸، ۴۵
جلال الدین رومیؒ،حضرت مولانا:۵۰، ۵۱
جلالانی بُزدار:۴۸
جنیداقبال،لیکچرر:۱۲، ۱۴
چارلس نیپئر،جنرل:۴۹
چنبھوشاہ،سید (سیدغلام حسین شاہ):۲۰
چنگیزخان تاتاری تُرک بادشاہ:۴۸
چُھٹہ خان مانہ احمدانی،حافظ:۳۶، ۴۸، ۵۱

حافظ شیرازیؒ، خواجہ: ۱۵،۲۲
حسن علی شاہ، سید (بی اے۔ بی ٹی): ۳۷
خان عالم خان (پوسٹ ماسٹر): ۱۸، ۳۶
خضر حیات: ۱۱
خیر محمد، حافظ: ۲۰
داتا گنج بخشؒ، حضرت (شیخ علی ہجویری): ۲۵،
۲۶، ۲۷، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۷
دارا، بادشاہ: ۵۲
دل نواز خان ایڈووکیٹ: ۱۲
دین محمد خان لغاری بلوچ، خان بہادر: ۲۱
ذال، سیستانی پہلوان: ۵۴
رحمت اللہ، بابو: ۳۴
رضا کریم، آخوند: ۵۱
رنجیت سنگھ، مہاراجہ: ۴۵
زرتاج گُل، وزیر محترمہ: ۵۱
زوراجہ خان: ۴۸
زین العابدین: ۴۰
سائیکس (Sykes): ۳۰، ۵۰
سچر، یونینسٹ رُکن: ۴۸
سکندر بادشاہ: ۵۲
سلطان علی: ۲۸
شادی لال، سر (چیف جسٹس): ۱۷
شعیبؑ، حضرت: ۴۶
شعیب اقبال: ۱۲
شیر محمد پاکستانی: ۴۸
صاحب خان، حاجی: ۳۶، ۴۳
صالح محمد ملغانی بلوچ، مولوی: ۳۰
طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر: ۱۴
ظفر اللہ خان، سر: ۲۶
عاطف اقبال: ۱۲
عائشہ صدیقہؓ اُم المومنین، حضرت: ۴۰، ۴۶، ۴۷
عباد اللہ اختر، خواجہ (تحصیل دار): ۱۸
عبدالرشید احمدانی، مولوی: ۲۱، ۴۴، ۵۲
عبدالرشید نسیم، میاں: ۲۱
عبداللطیف، گابا: ۳۶، ۳۷
عبدالغنی: ۲۸
عبدالقادر، سر: ۳۶، ۳۷
عبدالکریم، آخوند: ۵۱
عبدالکریم ملک، حافظ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس: ۱۶، ۲۸
عبداللہ خان، مولوی: ۲۰
عثمانؓ، حضرت: ۴۰، ۴۶
عطاء اللہ، پروفیسر شیخ: ۱۰
عطا محمد خان بُزدار، ایم ایل اے: ۴۸، ۴۹
عطا محمد خان جسکانی، ایڈووکیٹ: ۱۸، ۱۹، ۳۵، ۴۸، ۵۱
عطائی (دیکھیے محمد رمضان خان عطائی):
علی بخش: ۹، ۲۸، ۳۲، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۲، ۴۵
علی نواز خان: ۱۲
عمرؓ، حضرت اسد الاسد: ۴۷
غازی خان میرانی، نواب بلوچ حکمران: ۱۱،
۱۳، ۴۹، ۵۶

غلام حسین شاہ، سید: (دیکھیے: چنبھو شاہ)
غلام فریدؒ، خواجہ: ۴۳
فرہاد: ۴۸
فضل داد، چودھری: ۹، ۱۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۷، ۳۸، ۴۱
فقیر خان بُزدار، حاجی سردار: ۲۱
فیض احمد خان جسکانی: ۳۵
فیض محمد خان کھوسہ سغ، ایڈووکیٹ: ۴۸
فیض محمد شاہ جام پوری، سید: ۲۹
فیض محمد شاہ جمالیؒ، حضرت: ۹، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۳۵، ۳۶، ۴۴، ۴۸
قائداعظم محمد علی جناح (بانی پاکستان): ۴۹
کاشف اقبال: ۱۲
کراماً کاتبین: ۴۰
کریم بخش، قاضی (ہیڈ ماسٹر): ۳۵
کلیم اللہ، حافظ: ۳۷
گُل رابیہ مریم قیصرانی، ڈاکٹر: ۱۴
لوئی ماسینیوں: ۵۱
لہری سنگھ، وزیر: ۴۸
محراب خان بلوچؒ، خانِ معظم: ۴۹
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰، ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۹، ۳۱، ۳۹، ۴۰، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۵۰، ۵۱
محمد ابراہیم، مولوی: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۴۶
محمد ابراہیم، میاں الحاج (پرنسپل): ۳۷
محمد اکبر خان، خان بہادر: ۲۱، ۲۲
محمد بخش چوٹوی، قاضی القضاۃ: ۲۱، ۲۳
محمد حسین ایم اے، چودھری: ۹، ۴۵
محمد حسین مہاروی، منشی: ۲۹
محمد خان ترین: ۷
محمد رمضان خان عطائی، الحاج علامہ: ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۷، ۲۳، ۲۴، ۲۸، ۳۱، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۲، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸
محمد سلیمان تونسویؒ، حضرت خواجہ: ۵۲
محمد شفیع، رپورٹر سول ملٹری گزٹ: ۹، ۴۵
محمد شفیع، میاں (قوال): ۱۱
محمد ظہور الدین، شیخ: ۱۷
محمد علی خان لغاری، سردار: ۲۱
محمد علی، میاں (قوال): ۱۱
محمد یار، مولوی (گڑھی والے): ۳۴
محمد یار، میاں: ۲۰
مسولینی: ۳۹
مصطفیٰ نواز خان: ۱۲
مُلا قائد شاہؒ: ۱۱
من موہن، رائے بہادر: ۳۶
منصور حلاجؒ: ۳۳، ۵۱
منیرہ بیگم: ۹، ۲۸
موسیٰ، حضرت: ۴۰، ۴۶
میاں میرؒ، حضرت: ۲۷
میر جعفر: ۴۹
میر صادق: ۴۹

میر محمد خان بُزدار، حاجی (تحصیل دار): ۲۰،
۴۸، ۴۹
نریندر پرشاد، راجہ: ۳۶
نور محمد خان، بُزدار: ۲۱
وِلشائر، جنرل: ۴۹
ہلاکو خان تاتاری، بادشاہ: ۴۸
ہمایوں خان، آخوند: ۵۱

اماکن:

آکسفورڈ: ۵۰
اِٹلی: ۳۹
اجمیر شریف: ۴۲
اِسلامیہ پارک لاہور: ۴۲
افغانستان: ۵۰
امرتسر: ۱۷، ۳۶
اِنڈومان: ۱۷
اِنڈیا (دیکھیے ہند): ۳۶، ۵۳
اِنگلستان: ۵۰
اِیران: ۵۰
بکھر: ۷
بلاک نمبر ۴ دیرہ غازی خان: ۱۰، ۲۴، ۴۹
بلوچستان: ۴۹
بمبئی، حجاج منزل: ۴۵
بیت اللہ شریف: ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۳۹، ۴۴
پاکستان: ۵۱، ۵۲
پنجاب: ۱۷، ۵۰
پیرس: ۵۱
تونسہ شریف: ۳، ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۲۹
جام پور، جام پوری: ۱۳، ۲۹
جاوید منزل: ۲۸
جدہ: ۳۹
جرمنی: ۳۳، ۵۱
جنت: ۵۱
جہلم: ۷، ۳۴، ۴۳، ۴۴
جھوک (اُترا): ۲۰
چھاہ بری بالا: ۱۲
حبش: ۱۹
حجاز: ۱۹
حرم نبویؐ: ۲۲
خانے وال (خانیوال): ۷، ۱۳، ۱۶
داجل: ۲۰
دہلی: ۲۷
دیرا، دیرہ، ڈیرہ غازی خان (D.G. Khan): ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۲۹، ۳۸، ۴۳، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۶
راجن پور: ۷، ۱۷
راول پنڈی: ۱۳، ۴۳
رسول پور: ۴۴، ۵۲
روس: ۳۳
ریکڑہ بستی: ۲۵
ریلوے سٹیشن، لاہور: ۲۷

سمرقند: ۴۸
سِندھ (دریا، صوبہ): ۷، ۱۷، ۴۹
سندیلہ شریف بستی: ۴۸
سویڈن: ۱۲
فرانس: ۵۱
کراچی: ۲۱
کعبہ شریف: ۲۲
کوہِ سلیمانؑ: ۷، ۴۸
گڑھی شاہو، شاہودی گڑھی: ۲۷، ۳۷
گلوسسٹر شائر: ۵۰
گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۱، ڈیرہ غازی خان: ۷، ۲۴، ۲۶، ۲۷، ۴۸
لاہور: ۹، ۱۱، ۱۵، ۱۹، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۷، ۴۴، ۴۸، ۵۰
لوہاروالا: ۲۰
مانہ احمدانی: ۳۶، ۴۸، ۵۱
مدینہ منوّرہ: ۲۲، ۲۴، ۳۹
مرکزی جامع مسجد، ڈیرا غازی خان: ۱۸، ۴۹
مزارِ اقبالؒ: ۴۴
مزنگ سکول، لاہور: ۴۲
مساوا (Massawa)، نیوی سٹیشن: ۳۹
مسجدِ نبویؐ: ۵۰
مُظفر گڑھ: ۷، ۱۶
مکہ معظّمہ: ۲۲، ۳۹
ملتان: ۳۷
منبرِ نبویؐ: ۵۰
مِہرے والا: ۴۸
میاں والی (میانوالی): ۷، ۱۰
مِیانی: ۴۹
میوہ منڈی، غازی منزل: ۲۸
ہمالہ (حمالہ): ۱۲
ہندوستان (انڈیا): ۹، ۴۸
ینبوع (Yanbu): ۳۹
یونی ورسٹی ہال لاہور: ۳۶

شعوب وقبائل:

آخوند، اخوند: ۳۵، ۵۱
احمدانی بلوچ: ۵۱، ۵۲، ۵۴
انگریز: ۳۳، ۴۹
بُزدار: ۲۰، ۲۱، ۴۸، ۴۹
بلوچ، بلوچوں: ۷، ۲۱، ۳۰، ۳۵، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۴
تُرک: ۴۵
ترین: ۷
ٹھال بُر بلوچ، میر: ۴۹
جسکانی بلوچ: ۳۵، ۴۸، ۵۱
حُر معرکہ: ۲۱، ۴۹
سِکھ: ۱۷، ۴۵
عیسائی: ۲۷

قیصرانی:۱۴
کھوسغ بلوچ:۱۲
لغاری بلوچ:۲۱
مِرزائی:۲۷
مسلمان، مسلم:۱۸،۳۰،۳۲،۳۳،۴۹
ہنود:۱۸

بولیاں:

اُردو:۷،۱۲
انگریزی:۱۷
بلوچی:۴۹،۵۱
جاٹکی:۷
عربی:۷،۱۷،۱۸،۳۳
فارسی:۳،۷،۹،۱۲،۲۴،۲۶،۳۰،۵۰

کتب:

قُرآن:۲۱،۵۲
اِنجیل:۳۳
ارمغانِ حجاز:۲۵،۴۵،۴۹
اقبال نامہ جلد اوّل:۱۰
بانگِ درا:۴۸
پلیڈر ڈیرہ غازی خان (رسالہ):۱۲
پیامِ مشرق:۳،۴۷
تاریخِ ایرانِ باستان:۵۰
مثنویٔ مولویٔ معنوی:۵۰
مقامِ خلافت:۳۷

سیاسی جماعتیں:

کانگرس:۴۸
مُسلم لیگ:۴۸،۴۹،۵۱
یونینسٹ (یونینسٹوں):۴۸،۴۹

ادارے:

اٹامک انرجی کمیشن آف پاکستان:۱۱
اِقبال اکادمی پاکستان، لاہور:۱۴
پنجاب یونی ورسٹی، لاہور:۷،۵۰
جی۔ٹی۔ایس:۱۱
ڈبلیو۔پی۔آئی۔ڈی:۱۱
ڈویژنل پبلک سکول و کالج، ڈیرا غازی خان:۱۲
سٹاک ہوم یونی ورسٹی سویڈن:۱۲
غازی یونی ورسٹی، ڈیرا غازی خان:۱۴
یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ:۱۲

.....تمت بالخیر.....